قال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

افضل الجهاد

کلمۃ حق

(ترجمہ) ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا بہترین جہاد ہے

مبلغ کلمۂ حق

فقیر حقیر معین الدین اجمیری کان اللہ لہ

منجانب مرکزی خلافت کمیٹی بمبئی

زیر نگرانی منشی عبد القدیر و الاخوان

۱۳۳۹ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام پر دشمنان دین کیجانب سے ہمیشہ حملے ہوتے رہے اور اسلام کی شوکت و قوت کو فنا کرنے کیلئے ہر ممکن ذریعہ کو کام میں لاتے رہے اسلام پر کوئی صدی ایسی نہیں گذری جسمیں اعدار ملت نے اسلام کو مبتلائے مشکلات نہ کیا ہو۔ اس دشمنی و عداوت میں جس قوم نے نمایاں حصہ لیا وہ علمبردار عیسائیت ہے۔ یہ متعصب قوم ہمیشہ اپنی تمام قوتیں اسلام کے فنا کرنے پر صرف کرتی رہی لیکن اس مقصد میں آجتک کامیاب نہو سکی۔ بلکہ اکثر مرتبہ اسلامی جبروت کے سامنے اسکو بھی مثل دیگر قوموں کے گردن تسلیم خم کرنا پڑا۔ اب جبکہ اُسکا آفتاب اقبال دائرہ نصف النہار کو پہونچ چکا ہے تو اُسنے اسلام کے فنا کرنے کا پورا تہیہ کر لیا۔ اور سمجھ لیا کہ بار بار ایسا خوشگوار زمانہ میسر نہیں آتا۔ درحقیقت عیسائیت اب اسلام سے اُکتا بھی گئی ہے۔ اسکے نزدیک اسلام کا سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ وہ دنیا میں اب تک موجود کیوں ہے۔ وہ یہ خیال کرتی ہے کہ ہمارے اس دور اقبال میں بھی اگر اسلام فنا کے گھاٹ نہ اترا یا اسکی رہی سہی قوت (خاک بدہن دشمن) بالکل زائل ہوئی تو پھر اسلام کے فنا ہونے کی کیا صورت ہوگی جو خار کی طرح ہماری آنکھوں میں کھٹک رہا ہے یہ مقصد مدنظر رکھتے ہوئے جنگ یورپ کے خاتمہ کے بعد عیسائیت کے اعلیٰ علمبردار برطانیہ نے خلیفہ اسلام کے سامنے وہ شرائط صلح پیش کئے جنکی رو سے خلیفہ اسلام غلام اور

برطانیہ آقا قرار پاتی ہے۔ حرمین شریفین وارض حجاز پر شریف مکہ کے ذریعہ برطانیہ کا پہلے ہی تسلط ہو چکا تھا اور مسلمانوں سے سفید بیج بولکر خود انہیں کی امداد و اعانت سے انکے مقامات مقدسہ بیت المقدس۔ و دیگر بلاد اسلامیہ فتح کر چکی تھی۔ اب انکے نزدیک اہم کام صرف خلافت کا خاتمہ تھا۔ اسکو شرائط صلح کے ذریعہ انجام تک پہونچا دیا۔

برطانیہ کے جہازوں و ڈریٹ ناٹوں سے محصور خلیفہ بجز اسکے کہ اُن شرائط کو تسلیم کرے اور کیا کر سکتا تھا۔

دنیا جس سے محو حیرت ہو جائے وہ اس تمام داستان میں یہ بات ہے کہ برطانیہ نے مسلمانوں ہی کے ذریعہ اسلام کی قوت و شوکت کو مٹایا۔ اس بارے میں برطانیہ کسی کی اسقدر منت پذیر نہیں ہے جسقدر خود مسلمانوں کی ہے۔ الغرض جب اسلام کی حالت قریب نزع کے پہونچی تب اسلامی حلقہ میں ایک عام ہیجان مدافعت پیدا ہو گیا جسکے وہ شرعاً مامور تھے۔ لیکن بطور اتمام حجت بسر کردگی مولوی محمد علی صاحب مسلمانوں کی جانب سے ایک وفد انگلستان روانہ کیا گیا تاکہ وزراء انگلستان کو خلافت کی اہمیت سمجھا کر شرائط صلح میں ترمیم یا اسکی تبدیل کرا وے جس سے ترکی اقتدار بدستور برقرار رہے اور مقامات مقدسہ و جزیرۂ عرب خلیفہ اسلام کی حمایت میں رہیں۔ یہ نہ صرف مطالبہ تھا بلکہ اُس شاندار وعدہ کی یاد دہانی تھی جو اثنا جنگ میں مسلمانوں سے کیا گیا تھا کہ جزیرۂ عرب و دیگر مقامات مقدسہ کا پورا احترام کیا جاوے گا اور جو حیثیت ان کی قبل از جنگ ہے۔ وہی بعد میں بھی تسلیم کیجائے گی۔ ترکوں کے ساتھ جنگ محض ملکی ہے اس کو مذہب سے کوئی علاقہ نہیں" مسلمانوں کو کیا معلوم تھا کہ یورپین وعدے مطلب برآری کے اصول پر مبنی ہوتے ہیں۔ اعلیٰ بدبختی کی اس سے بڑھکر کیا مثال ہو سکتی ہے کہ مسلمان اس وعدے پر وثوق کر کے اپنے خلیفہ کے بالمقابل کھڑے ہو گئے جس کا نتیجہ آج دنیا یہ دیکھ رہی ہے کہ برطانیہ کا سب سے بڑا حریف و دشمن جرمنی اپنے مقبوضات پر

بدستور قایم ہے لیکن خلیفۂ اسلام سلطان ان مقبوضات سے بھی محروم کر دیا گیا جو زمانہ جنگ
میں فتح ہونے سے باقی رہ گئے تھے۔ اس حساب سے عہد صلح ترکوں کے حق میں زمانہ
جنگ سے بھی زیادہ تلخ ثابت ہوا۔ یہ ہوا اس وعدہ کا حشر جسکی منادی اول سابق
وائسرائے ہند لارڈ ہارڈنگ نے کی تھی۔ اور یہ تھی وہ ملکی لڑائی جس کی رو سے مسلمان
ترکی پر نزلہ گرایا گیا اور عیسائی جرمنی صاف بچا لیا گیا۔ وفد کے رکن اعظم مولوی محمد علی نے
نہایت جرأت و جسارت کے ساتھ مسلمانان ہند کی آواز کو وزرائے انگلستان تک پہونچا دیا
لیکن جیسا کہ خیال تھا ظاہر وہی ہوا کہ وفد ناکامیاب آیا۔ وفد کی واپسی پر حجت الٰہی قایم
ہو گئی۔ اسی وقت یہ سوال فضول ہو گیا کہ کسی مسلمان نے بیجان مدافعت میں کیوں اپنی جان
کو خطرہ میں ڈالا" بلکہ اس سوال کا وقت آگیا کہ "مسلمان ہو کر کیوں اپنی جان و مال کو اسلام
پر نثار کرنے سے دریغ کیا" مسلمانوں کی ہر طرح کی کمزوریوں کا لحاظ کرتے ہوئے جسمیں
ایمانی کمزوری بھی شامل تھی جمعیۃ علمائے ہند منعقدہ دہلی کا یہ فتویٰ صادر ہوا کہ برطانیہ کیساتھ
موالات و نصرت کے تمام تعلقات اور معاملات رکھنے حرام ہیں جسکے ماتحت حسب ذیل
امور بھی واجب العمل ہیں۔

(۱) خطابات اور اعزازی عہدے چھوڑ دینا (۲) کونسلوں کی ممبری سے علیحدگی
اور امیدواروں کیلئے رائے نہ دینا۔ (۳) دشمنان دین کو تجارتی نفع نہ پہونچانا (۴) کالجوں
سکولوں میں سرکاری امداد قبول نہ کرنا۔ اور سرکاری یونیورسٹیوں سے تعلق قایم نہ رکھنا
(۵) دشمنان دین کی فوج میں ملازمت نہ کرنا۔ اور کسی قسم کی فوجی امداد نہ پہونچانا (۶)
عدالتوں میں مقدمات نہ لیجانا اور وکیلوں کیلئے اُن مقدمات کی پیروی نہ کرنا۔

ان سہل تجاویز و توقعات کو بھی ناقابل برداشت وہی کہہ سکتا ہے یا اسکے دل میں
اسکا خطرہ گذر سکتا ہے جسکی نظروں میں بجائے اسلام کے اسکے واقعات زیادہ وقیع ہیں
اور دنیوی چند روزہ معیشت کو عقبیٰ کے غیر فانی لذائذ پر ترجیح دیتا ہے اور جسکا قلب

بمقابلہ خدائے ذوالجلال کی غیر محدود قدرت سے حکومت موجودہ کے جاہ وجلال سے زیادہ متاثر ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ ان دفعات میں یقینی طور پر نہ جان کا مطالبہ ہے نہ مال کا۔ پھر بھی بعض طبائع پر یہ دفعات اس قدر گراں ہیں کہ انکے نزدیک اس سے بالاتر کوئی مصیبت اور اس سے سخت تر کوئی عذاب نہیں ہو سکتا۔ ان کا قول ہے کہ "ترک موالات کی دفعات کا اپنی مشکلات کے باعث کامیاب ہونا امر محال ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس تحریک میں ہم حصہ نہیں لیتے اگر اس تحریک سے وہ حصہ نکالدیا جائے جس کی وجہ سے متعدد دشواریاں عائد ہوتی ہیں تو ہم بھی اس تحریک میں شرکت کرنے کیلئے آمادہ ہیں" اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ "اگر دنیوی و ذاتی تعلقات کی فہرست میں سے ایک تعلق بھی کم کر دیا گیا تو ہم اس تحریک میں شرکت کرنے سے معذور ہیں۔ البتہ تعلقات کے بدستور قایم رہنے پر ہم تحریک ترک موالات کا دل سے خیر مقدم کرنے کے لئے بالکل تیار ہیں" آپ فرمایئے کہ اسمیں ایثار و قربانی کیا ہوئی۔ اگر اسی کا نام قربانی وایثار ہے تو اس کے لئے آپکی کیا خصوصیت دنیا بھر کے بزدل بھی اس میں حصہ لے سکتے ہیں کوئی وجہ نہیں کہ اس اصول کی بنا پر آپ اپنی ہستیوں کو بزدلوں کی جماعت سے ممتاز کر سکیں۔ آپ کا یہ خود ساختہ اصول اس امر کیطرف رہبری کرتا ہے کہ جب تک کسی خوشگوار نتیجہ کا تیقن یا اسکی باضابطہ قابل اعتماد ضمانت نہو جائے کسی کام کیلئے اپنے کو تیار نہ کرنا چاہئے خواہ وہ اسلام کیخدمت ہی کیوں نہو۔ یہ اصول خواہ کتنا ہی باضابطہ اور انکی نظروں میں وقیع ہو لیکن ہدایت قرآنی کے سراسر خلاف ہے قرآن کریم اس پاک ومقدس دعا کی تعلیم دیتا ہے کہ۔

وثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکفرین۔	(اے ہمارے رب، تو ہمارے قدموں کو (قایم و) ثابت رکھ اور کافروں پر نصرت (وغلبہ) عطا فرما۔

پابندان راحت دنیوی کے اصول پر یہ دعا محض بے ضرورت و فضول ہے کیونکہ
انکے قدم پہلے ہی سے اپنی جگہ پر قایم ہیں اور اپنے مرکزِ ثقل سے یک سر مو بھی نہ سرکے
اور نہ کسی پر خطر راہ میں اونھوں نے اپنا قدم رکھا۔ ایسے حضرات کے حق میں یہ دعا بالکل
تحصیل حاصل ہے۔ وہ حضرات ایسا کام ہی کیوں کرنے لگے جس کی بنا پر اس دعا کی
ضرورت پیش آئے۔ جان و مال و عزت تو بڑی چیزیں ہیں وہ دور اندیش و انجام بیں
ہستیاں گورنمنٹ کے خطابات اور اس کے بخشے ہوئے آنریری عہدوں کے ترک اور
اس کے جلسہائے جشن و نشاط کی عدم شرکت جب تکلیف مالایطاق شمار کرتی ہیں تو پھر
کونسی خطر راہ باقی رہ گئی جس سے سلامتی کے لئے انکو توجہ الی اللہ کی ضرورت پیش آئے۔
ایسی حالت میں کسی قسم کے ایثار و قربانی کی ان سے کیا توقع ہو سکتی ہے۔ مخالفین عدم
تعاون میں سے وہ حضرات ہماری بحث سے خارج ہیں جنکو نہ اسلام کی شوکت مطلوب
نہ اسلام کے موجودہ انحطاط پر کوئی افسوس نہ اپنی فطری آزادی کا ان میں کوئی جذبہ موجود
البتہ جو حضرات حامیان عدم تعاون کیطرح اسلام کا سچا ولولہ اپنے دل میں رکھتے ہیں
انکی خدمت میں اس قدر گذارش ہے کہ اگر دنیا میں کوئی ایسی مثال پیش کیجا سکتی ہے
کہ بغیر ایثار و قربانی کے کوئی قوم کامیاب و فائز المرام ہو گئی ہے تو آپ کا پرامن مسلک تسلیم
کرنے میں ہمکو کوئی عذر نہیں۔ لیکن اگر کوئی ایسی مثال نہیں پیش کیجا سکتی اور یقیناً پیش
نہیں کیجا سکتی تو پھر وہ کیا عذر ہے۔ جو آپ کو جمادات کی طرح بےحس و حرکت کئے ہوئے
ہے۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ ہیجان مدافعت نے جہاں سود مند نتائج پیدا کئے ہیں وہاں مضر
اثرات سے بھی بعض اوقات خالی نہیں رہی لیکن کاہلی و پست ہمتی کا نتیجہ صرف ایک رہا
ہے یعنے دائمی غلامی و ابدی رسوائی و خواری۔

ان حضرات کے اس دعوے پر وثوق کرنے کے لئے ہم تیار ہیں کہ "ہمکو اسلام
کے ساتھ کامل ہمدردی ہے"۔ لیکن اس کا کیا علاج کہ انکے شبہات عہد اقدس نبوی

صلی اللہ علیہ وسلم کے منافقین سے ملتے جلتے ہیں۔ مخالفین عدم تعاون کا عام طور پر یہ شبہ ہے کہ "یہ تحریک (ترک موالات) جو ملک میں پھیل رہی ہے ناکام ہوئی تو پھر گورنمنٹ کی نگاہ قہر ہماری رہی سہی قوت کا بھی خاتمہ کردے گی اور جو حقوق اس طویل زمانہ میں مسلمانوں کو مل چکے ہیں لئے قطعاً محروم کردئے جائیں گے۔ پھر ہمارا کہیں سہارا نہیں رہیگا" ایسی شبہ منافقین نے بھی عہد اقدس میں پیش کیا تھا جبکہ مسلمانوں کو یہود کیساتھ دوستانہ تعلقات قائم رکھنے سے ممانعت کی گئی تھی۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ

یقولون نخشی ان تصیبنا دائرۃ	(منافقین) کہتے ہیں کہ (ہمارے دوستانہ تعلقات یہود کیساتھ اسلئے ہیں کہ کہیں محمد صلعم گردش زمانہ سے اپنے ارادہ میں ناکامیاب ہوں اور یہود غلبہ حاصل کرلیں) اسوقت ہمارے لئے بڑی مصیبت کا سامنا ہوگا۔

اس کا جواب خود حق تعالےٰ نے قرآن کریم میں اسطرح دیا ہے

عسی اللہ ان یاتی بالفتح او امر من عندہ فیصبحوا علی ما اسروا فی انفسھم ندمین۔	پس قریب ہے کہ حق تعالیٰ فتح یا کوئی اور بات اپنی جانب سے ایسی لے آئے کہ منافقین اپنے مخفی خیالات پر نادم ہوکر رہ جائیں۔

اس آیۃ کریمہ میں صرف ان منافقین کے شبہ کا جواب ہی نہیں ہے بلکہ حق تعالیٰ نے فتح و نصرت کی بھی امید دلائی ہے کہ جس کے بعد پھر کسی مسلم کے لئے کوئی حجت باقی نہ رہنا چاہئے۔ چنانچہ عہد حاضر میں بھی حق تعالیٰ کے اس وعدہ پر وثوق کرکے جمہور اہل اسلام نے موالات نصاریٰ کے ترک کرنے کا تہیہ کرلیا جسکو فتوی کی صورت میں جمعیۃ علمائے ہند منعقدہ دہلی نے (جس میں تمام اطراف ہند کے علماء شریک تھے) شائع کرکے اپنے فریضہ سے سبکدوشی حاصل کی اس سے پیشتر جناب مولانا عبدالباری صاحب

فرنگی محلی علمائے ہند سے ایک فتویٰ حاصل کر چکے تھے۔ جس پر تقریباً تین سو علماء کرام کے دستخط ثبت تھے جس میں مسئلہ خلافت پر کافی روشنی ڈالنے کے علاوہ **دفاع کفار** کی فرضیت بھی واضح طور پر ثابت کی گئی تھی۔ اور نہ صرف فرض کفایہ بلکہ حالات حاضرہ کے لحاظ سے اس کا فرض عین ہونا ثابت کیا گیا تھا۔ یہ تحریک سب سے پہلے جلسہ مشائخ عظام منعقدہ ۱۱ اپریل ۱۹۱۹ء بمقام **اجمیر شریف** زیر صدارت عالی جناب دیوان **سید شرف الدین علی خاں صاحب** سجادہ نشین درگاہ حضرت **خواجہ** اجمیری قدس سرہٗ منظور ہو کر بطور اطلاع **وائسرائے ہند** کی خدمت میں بھیجی گئی اور جب تجویز خلافت کانفرنس منعقدہ **کلکتہ** طبع ہو کر تمام ملک میں شائع ہوئی۔ عام علمائے کرام کے اتفاق و اجماع کے بعد باقی ماندہ علماء (جو بمقابلہ جمہور علماء کے بنہایت قلیل تھے) ساکت رہے۔ ان کی خاموشی گو ایسے نازک وقت میں مجرمانہ خاموشی تھی کیونکہ مسئلہ خلافت اور مسئلہ دفاع کفار اس وقت کہ ان کا تسلط حرمین شریفین پر ہو گیا تھا (جزئی فرعی مسائل کے شمار میں نہ تھے کہ ان کو نظر انداز کر دیا جاتا بلکہ درحقیقت یہ اسلام کے فنا و بقا کا مسئلہ تھا۔ اس کی فرضیت اُس وقت عائد ہوئی جبکہ خلیفہ اسلام کا اقتدار سلب کر کے خلافت کی روح نکالی گئی اور اسلام کو اسکے قدیمی وطن (ارض حجاز) سے نکالنے کا فیصلہ کیا گیا۔ ایسے پُر آشوب وقت میں بھی بقیہ افراد علماء کے سکوت کا صاف مطلب یہ تھا کہ انکے نزدیک اسلام کوئی قابل التفات شئے نہیں ہے ظاہر ہے کہ ایسے حضرات کو اسلام بھی قابل التفات نہیں سمجھتا اس لحاظ سے ان کا سکوت یا علیحدگی و خلوت نشینی اس عام تحریک کے حق میں کوئی مضر نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ساکت حضرات کو ان کے سکوت کیساتھ چھوڑ دیا گیا۔

اسی طرح ارباب سکوت کو بھی چاہئے تھا کہ سکوت پر قناعت کرتے جس طرح اہل حق نے انکے سکوت کو غنیمت سمجھا تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ اس خاموش گروہ میں سے دو بزرگوار بول ہی اٹھے۔ بسا غنیمت ہوتا اگر صرف اپنی برأت پر اقتصار کرتے یا اپنی کمزوری کو تسلیم

کرتے حق گو حضرات کی مقتدر جماعت میں شامل ہونے کی سعی کرتے۔ اس صورت میں گو انکا درجہ پست ظاہر ہوتا لیکن یہ بھی کیا کم تھا کہ وہ اپنی حرکت ندبوحی کے بدولت اہل حق میں شمار کر لئے جاتے۔ اہل حق اسقدر تنگ چشم نہ تھے کہ اس کمزور جماعت کو اسلام کی صف آخر میں بھی جگہ نہ دیتے مگر نہ معلوم کیا خیال قائم کر کے ان ہر دو بزرگوار نے نہایت دلیری و جسارت کے ساتھ جمہور علمار کرام کے متفقہ فتوی کو اپنی کمزور تحریروں کے ذریعہ عوام کی نظروں سے گرانا چاہا اور نہ صرف مجرمانہ خاموشی سے اپنی برارت ظاہر کی بلکہ نفیر عام و صدائے حق کو بے ہنگام قرار دیکر تمام علمار ہند کو مطعون و مورد الزام بنایا۔ قارئین کرام کو سخت حیرت ہوگی جب وہ معلوم کریں گے کہ انہیں سے ایک بزرگ جناب مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی ہیں اور دوسرے حضرت مولوی اشرف علی صاحب تھانوی۔ یہ دونوں بزرگوار سلسلۂ اختلافیات میں خاص شہرت رکھتے ہیں۔ اور بعض تصانیف مفیدہ کی بدولت نظر عوام میں مقبولیت بھی حاصل کر چکے ہیں چنانچہ اول الذکر مجدد والماتۃ الحاضرہ کہلائے جاتے ہیں اور دوسرے صاحب حکیم الامۃ دونوں بزرگوار کی چند مسائل میں مخالفت باہمی ہندوستان میں ضرب المثل ہے۔ ہر ایک کی جانب سے دوسرے کی تکفیر و تضلیل تک نوبت پہونچ چکی ہے ان میں کون اپنے دعوے میں سچا ہے۔ یہ ہماری موضوع بحث سے خارج ہے۔ البتہ برا ادب و بحکم ظنوا المؤمنین خیرا ہمارا اجمالی عقیدہ یہ ہے کہ دونوں بزرگوار اپنے اپنے دعوے میں سچے ہیں بکو سردست جو بات بیتاب کر رہی ہے وہ صرف یہ کہ دونوں نادرۂ روزگار محتاط و مقدس مولوی جنکے احتیاط و تقدس کی یہ شان ہو کہ محض جزئی اختلافات میں جنگی معرکہ آرائیاں رہی ہوں جنہوں نے فروعی مسائل میں بال کی کھال نکالی ہو اور جو معمولی مباحث میں ہندی کی چندی کرنے والے ہوں جنہوں نے محض ادنی و معمولی باتوں پر احکام شرعی کی بھرمار کی ہو جنہوں نے مولود شریف میں قیام و عدم قیام جیسے جزئی مسئلہ پر اصول مسئلہ جبر و قدر کیطرح موشگافیاں کی ہوں اور دریائے

تحقیقات بہائے ہوں وہ خلافت جیسے عظیم الشان مسئلہ میں جس کے ساتھ شوکت اسلام وابستہ ہے، ایسے دم بخود ہوئے کہ گویا کبھی بولے ہی نہ تھے۔ اور جب ایک عرصے بعد بولے تو گورنمنٹ لگتی یعنی گورنمنٹ سے نہ تعلقات قطع کرو نہ اسکے بخشے ہوئے خطابات و عہدے ترک کرو۔ جو حال پہلے تھا وہی بحالت موجودہ ہے یعنے جبکہ گورنمنٹ برطانیہ نے قصر خلافت کے انہدام کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اور خلاف وصیت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارض حجاز پر اپنا تسلط جما لیا ہے گویا ان ہر دو بزرگوار کے نزدیک اسلام ایسے احکام سے خالی ہے جنکی رو سے تحفظ اسلام کیا جا سکے جس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ اسلام ایک ایسا قانون ہے جسمیں دینی و دنیوی معاشرتی و تمدنی دنیا بھر کے احکام موجود ہیں لیکن خود اسکے تحفظ کے متعلق جو سب سے زیادہ اہم ہے۔ کوئی حکم موجود نہیں ہے انکے نزدیک اسلام جملہ نظم و نسق دینی و دنیوی کا کفیل ہے لیکن خود اپنے تحفظ و بقا کی کفالت نہیں کرتا۔ اگر اسلام بغیر خلیفہ و خلافت دنیا میں باقی رہ سکتا ہے اور اپنے وطن اصلی (ارض حجاز) سے نکلکر اپنی ہستی کو صفحہ دہر پر قائم رکھ سکتا ہے تو پھر وہ کیا ضرورت تھی جسکی بنا پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

من مات ولیس فی عنقه بیعة مات میتة جاهلیة۔	جو مرا اور اسکی گردن میں بیعت (امام کی) نہیں ہے وہ جاہلیت کی موت مرا۔

اسی طرح نیز ارشاد ہے کہ

اخرجوا المشرکین من جزیرة العرب۔	مشرکین کو جزیرۂ عرب سے نکالدو۔

دوسری روایت میں ہے کہ

اخرجوا الیهود والنصارىٰ من جزیرة العرب۔	یعنی یہود و نصاریٰ کو جزیرہ عرب سے نکالدو۔

آج اسلام کو دونوں مصیبتوں کا سامنا ہے یعنی اس کی خلافت کا خاتمہ

کیا جا رہا ہے۔ جزیرہ عرب سے اسلام کے نکالے جانے کی تدابیر عمل میں لائی جا رہی ہیں
حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا وقت آچکا ہے۔ لیکن ہر دو بزرگوار کا منشا یہ
ہے کہ چپ سادھ جاؤ۔ نہ شور و فغاں کرو نہ قطع معاملات کرو بدستور اپنی سابقہ روش پر
چلے جاؤ۔ ترک موالات و ترک تعلقات میں لفظی فرق کیا نکالا کہ تمام آیات قرآنیہ و احادیث
نبویہ کے جواب سے فراغت حاصل کرلی اب اگر اسلام کی شوکت کا خاتمہ ہو رہا ہی ہو۔ نہ ہو
اسلام اپنے وطن سے نکالا جا رہا ہے۔ نکل جانے دو۔ ان دونوں کی فقاہت نے جب
دو لفظ میں فرق کر دیا تو یہ سب سے بڑی فتح مسلمانوں اور اسلام کی ہوگئی اسکے بعد کسی
دوسری تدبیر کی کیا ضرورت۔ ہم کہتے ہیں اگر اسی لفظی بحث پر اسلامی عقدہ حل ہو جاتا ہے
تو انہوں نے صرف دو لفظوں میں فرق کیا ہے۔ ہم چار الفاظ میں فرق بیان کرنے
کے لئے تیار ہیں۔ وہ یہ کہ نان کوآپریشن کا ترجمہ اخبارات میں چار الفاظ کے ساتھ کیا گیا
ہے یعنی ترک موالات و ترک تعلقات و عدم تعاون و عدم اشتراک عمل حالانکہ چاروں
لفظ اپنے مفہوم کے اعتبار سے مختلف ہیں اور ہر لفظ کا مصداق علیحدہ علیحدہ ہے ان
الفاظ کی کامل تشریح کیلئے ایک دفتر کی ضرورت ہے جس سے اندیشہ ہو کہ ہم اپنے موضوع بحث سے خارج ہو جائیں ورنہ
ان ہر دو بزرگوار کی ضیافت طبع کیلئے یہ بھی کر گزرتے لیکن اسلام کے حق میں یہ تمام خامہ فرسائی بے سود ہوتی

الغرض جمہور علماء کرام کے دلائل و براہین کے مقابلہ میں ہر دو بزرگوار صرف
یہ لفظی بحث پیش کر سکے۔ اس سے معمولی استعداد والے حضرات پر بھی انکا عجز آفتاب
کی طرح روشن ہو گیا۔ اس کے علاوہ خود قانون اسلامی کی رو سے جمہور کے مقابلہ
میں افراد کوئی شے نہیں ہیں۔ اسلام اس کی ہرگز اجازت نہیں دیتا ہے کہ جمہور کے
مقابلہ میں افراد کی آواز سنی جائے ورنہ شیرازۂ اسلام کبھی کا پراگندہ ہو گیا ہوتا خلافت
ابوبکر صدیق پر جب جمہور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین متفق ہوگئے تو تنہا حضرت
سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے اختلاف رائے کو کالعدم قرار دیا گیا۔ اگر اسلام جمہور کے

مقابلہ میں افراد کی آواز کو وقعت دیتا تو نہ خلافت صدیقی حق بجانب ہوتی نہ خلافت مرتضوی۔ بلکہ اسلام کا کوئی اہم کام کسی زمانہ میں سرانجام نہ پاتا۔ ہر زمانہ میں کم ازکم دو چار نفر ایسے ضرور موجود ہوتے ہیں جنکی شاہراہ عمل جمہور کی شاہراہ سے علیحدہ ہوتی ہے پس انکی طرف کان دھرنے کا صاف مطلب یہ ہے۔ کہ کوئی کام اتفاق کیساتھ انجام نہ پائے۔ اور اسلام ہمیشہ کے لیئے نعمت اتفاق سے محروم ہو جائے یہی وجہ ہے کہ عامۂ مومنین نے ہر دو بزرگوار کی آواز پر لبیک نہ کہا۔ لیکن بعض حیلہ جو طبائع جو پیشتر سے بچنے کا سہارا تلاش کر رہی تھیں انہوں نے نہایت گرم جوشی کے ساتھ ان ہر دو بزرگوار کی آواز کو نہ صرف سنا بلکہ دل سے قبول کیا۔ یہاں تک بھی مضائقہ نہ تھا۔ لیکن اب اس آواز کو مختلف ذرائع سے پھیلانے کی تدبیر عمل میں لائی جارہی ہیں اس وجہ سے ضرور ہوا کہ ہر دو بزرگوار کی تحریرات پر تنقیدانہ نظر ڈالی جائے جس کی وجہ سے ان غلط فہمیوں کا سدباب ہو سکے جو عوام کو ان تحریرات کے پڑھنے یا سننے سے ہو رہی ہیں۔ اسی کے ضمن میں ان شبہات کا بھی ازالہ کر دیا جاوے جو سرکاری ملازموں کی زبان پر چڑھے ہوئے ہیں اور جنکی جابجا وہ تبلیغ کرتے پھرتے ہیں یا اسکے لئے خاص طور پر مقرر کئے گئے ہیں۔ اور جناب مولوی **اشرف علی** صاحب براہ حزم و احتیاط کبھی میدان سامنے نہیں آئے۔ البتہ انکی خانقاہ امدادیہ سے ایک تحریک بابت ترک موالات شائع ہوئی جسکے انتساب کے متعلق نفیاً و اثباتاً انہوں نے کوئی حکم صادر نہیں فرمایا اس وجہ سے ہم بھی براہ احتیاط انکی تحریر کو خانقاہی یا تھانوی کیساتھ یاد کریں گے۔

ترک موالات اور ترک معاملات

ترک موالات نصاریٰ کا جو فتویٰ جمہور علمائے کرام نے صادر فرمایا ہے اس کا انکار نہ بریلوی تحریر سے ہو سکا نہ **تھانوی** تحریر بر سر مقابلہ آسکی۔ اس سے معلوم ہوا کہ

ترک موالات وہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ مخالف سے مخالف کو بھی اس میں چوں چرا کی گنجایش نہ نکلی۔ تھانوی تحریر نے ترک موالات کی لے یہاں تک بڑھائی کہ نصاریٰ درکنار ان مسلمانوں سے بھی موالات حرام ہے جو فاسق وفاجر یا مبتدعی ہیں چنانچہ اس تحریر کے پہلے صفحہ میں ہے کہ "موالات کے معنی دوستی ومحبت کرنے کے ہیں۔ شریعت اسلامیہ کی تعلیم یہ ہے کہ دوستی اور محبت ان لوگوں سے کرنی چاہیے جو پوری طرح شریعت کے متبع اور خدا ورسول صلعم کے مطیع ہوں اور جو لوگ خدا ورسول کے پوری طرح متبع اور مطیع نہوں بلکہ فاسق وفاجر یا مبتدع اور مشرک کافر ہوں انسے دوستی ومحبت کرنا جائز نہیں۔ پس ترک موالات کا حکم کفار مشرکین ہی کیساتھ مخصوص نہیں بلکہ ان مسلمانوں سے بھی دوستی اور محبت حرام ہے، جو فاسق وفاجر یا مبتدع وغیرہ ہوں"۔

• بریلوی تحریر جو اشتہار کی صورت میں شایع ہوئی وہ ترک موالات کی تائید کرتے ہوئے یہ آیۂ کریمہ پیش کرتی ہے کہ "قرآن کریم کا ارشاد ہے۔

ولا تجد قوما یؤمنون باللہ والیوم الآخر یوادون من حاد اللہ ورسولہ ولو کانوا آباءھم او ابناءھم او اخوانھم او عشیرتھم۔	جسے اللہ اور قیامت پر ایمان ہے وہ اللہ اور رسول کے کسی مخالف سے دوستی نہ کریگا اگرچہ اس کا باپ ہو یا بیٹا یا بھائی یا عزیز۔

بحمداللہ تعالیٰ ہر دو بزرگوار اس امر میں متفق ہوگئے کہ موالات نصاریٰ قطعاً ناجائز اور حرام ہے جیسا کہ انکے شاندار استدلالات سے ہویدا ہے جمہور علمائے کرام نے بھی یہی ارشاد فرمایا تھا۔ البتہ دونوں بزرگوار موالات کے مفہوم میں معاملات کو شامل نہیں کرتے اسی وجہ سے معاملات کے متعلق دونوں کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ وہ بدستور جائز ہیں خانقاہی تحریر میں ہے کہ "سب سے پہلے یہ بات جان لینی چاہیے کہ آج کل

اخبارات میں ترک موالات اور عدم تعاون اور قطع تعلق ان تینوں کو واحد بتلایا جاتا ہے حالانکہ ترک موالات اور چیز ہے۔ اور ترک تعلقات اور چیز ہے دونوں کو ایک سمجھنا سخت غلطی ہے۔ اسلئے جن آیات سے ترک موالات ثابت ہوتی ہے ان سے ترک تعلقات پر استدلال کرنا کسی طرح صحیح نہیں"۔ بریلوی فتویٰ بھی خانقاہی تحریر کے ہمنوا ہے۔ چنانچہ اُس کا آغاز اس طرح ہے "موالات و مجرد معاملت میں زمین و آسمان کا فرق ہے"۔ یہاں دریافت طلب یہ امر ہے کہ معاملات سے اگر کل معاملات مراد ہوں تو پھر کوئی فریق اثبات میں جواب دینے کیلئے تیار نہیں بریلوی فتوے کی سنئے "خریدنا مطلق ہر مال کا کہ مسلمان کے حق میں متقوم ہو۔ اور بیچنا ہر چیز کا جسمیں اہانت حرب یا اہانت اسلام نہو"۔ کیا مطلقاً معاملات کا جواز اس عبارت سے نکلا۔ یہ عبارت اس امر پر پوری شہادت ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ وہ معاملات کہ جسمیں اسلام کی اہانت یا حرب کی اعانت ہوتی ہے۔ سراسر ناجائز ہیں۔ غرض معاملات کی اجازت دینے والوں کے نزدیک بھی کل معاملات کی اجازت تو نہوئی۔ کیونکہ انہوں نے بھی معاملات کو ایسی دو زبردست قیدوں کے ساتھ جکڑ دیا ہے کہ جس سے معاملات کا دائرہ پہلے سے بھی زیادہ تنگ ہوگیا۔ فتویٰ لکھا تھا معاملات کی وسعت کی خاطر۔ ہوا یہ کہ جسقدر جمہور علماء کرام نے معاملات میں وسعت رکھی تھی وہ بھی ہاتھ سے جاتی رہی جسکی تفصیل آئندہ آتی ہے۔ اب جمہور علمائے کرام کا معتدل فیصلہ سنئے "جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس کامل غور کے بعد مذہبی احکام کے مطابق اعلان کرتا ہے کہ موجودہ حالت میں گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھ موالات اور نصرت کے تمام تعلقات اور معاملات رکھنے حرام ہیں"۔ فرمائیے کہ تمام معاملات کی ممانعت اس سے کہاں نکلی۔ اسکا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ تعلقات اور معاملات دشمنان اسلام سے ناجائز و حرام ہیں جنکی رو سے خاص اُن کو تقویت حاصل ہو اور اسلام اُس سے کوئی معتدبہ فائدہ حاصل

نہ کرسکے وہ معاملات و تعلقات جو موجب تقویت اسلام ہیں یا اسلامی ضروریات
انسے پوری ہوتی ہیں وہ بدستور جواز کی حد میں ہیں مثلاً اگر گورنمنٹ برطانیہ سالانہ
رقم ٹیکس کے معاوضہ میں کل انڈیا ریلوے ہندوستانیوں کو دیدے یا بیش قرار رقم
لیکر صرف ہندوستان ہی ہندوستانیوں کے حوالے کردے یا انڈیا بھر کی سالانہ
مالگذاری کے بالعوض انگلستان کے تمام تجارتی وجنگی کارخانے اور کل جنگی وتجارتی
جہاز فروخت کرڈالے یا کچھ رقم معین کرکے انگلستان کو ٹھیکہ پر دیدے تو ایسے معاملات
کو جائز تسلیم کرنے میں جمعیۃ علماء ہند کو کوئی تامل نہیں۔ اور نہ انکی عبارت سے
ایسے معاملات کی ممنوعیت ثابت ہوتی ہے۔ اسی طرح وہ معاملات بھی جائز ہیں جن کے
ذریعہ اسلامی یا مسلمانوں کی ضروریات پوری ہوتی ہیں جیسے ریل وسلسلہ ڈاک
وتار کہ ان چیزوں سے مقاطعہ کرنا خود تحریک ترک موالات کا خاتمہ کردینا ہی جسکی
تبلیغ بحالت موجودہ ایک اسلامی فرض ہے
ترک موالات کا ہرگز یہ منشا نہیں ہے کہ اسلامی فرائض یا اسلامی
ضروریات میں کسی قسم کی رکاوٹ پیدا کیجائے۔ بلکہ اس سے مقصود صرف یہ ہے
کہ اگر اور کچھ نہ ہوسکے تو کم از کم دشمنان اسلام کی غلامی کا جوا مسلمانوں کی گردن
سے ضرور اتار دیا جائے۔ اسکے لئے ہر ممکن ذرائع کو کام میں لانے سے دریغ نہ
کریں گے اور اس تعلق یا معاملہ سے قطعاً احتراز کریں گے جسکی دشمنان اسلام کو
تقویت اور نصرت پہونچنے کا اندیشہ یا توہم ہو۔ یہ وہ زبردست حقیقت ہے کہ ہمارے
مخالف حضرات کی عبارت بھی اس کا اعتراف کررہی ہے گو انکی نیت اسکے مصادم
ہو۔ تمام معاملات کی نہ علماء کرام اجازت دیتے ہیں نہ مخالف طائفہ۔ رہے وہ معاملات
جنمیں حریف اسلام کی نصرت و اعانت ہو انکو جس طرح مخالف طائفہ مانتا ہے۔
اسی طرح علماء کرام بھی۔ پھر وہ کیا فرق ہے جسکی بنا پر جمہور علماء کرام کے ساتھ معرکہ آرائی

کی بنیاد قایم کی گئی اور وہ کونسا مخفی و باطنی سبب ہے جسنے دشمن اسلام گورنمنٹ کیساتھ مقاطعہ کی بجائے جمہور علماء امت محمدیہ کی مخالفت پر ان حضرات کو ابھارا اور وہ کیا اندرونی راز ہے جو حقیقی موافقت کے باوجود ان حضرات کو ظاہری اختلاف پر مائل کر رہا ہے۔ کیا معاملات کو صرف علماء کرام ہی نے مقید کیا ہے اور آپ نے بغیر قیود کے ظاہر فرمایا؟ یا علمائے کرام نے بغیر کسی قید کے عدم جواز کا فتوی دیا اور آپ نے قیود اضافہ کئے۔ اگر ایسا ہوتا تو صبر آجاتا کہ فریقین میں معنوی وحقیقی اختلاف ہے اور ہر ایک سختی کے ساتھ اپنے اصول کا پابند ہے۔

ستم تو یہ ہے کہ جو علماء کرام فرماتے ہیں وہی یہ کہہ رہے ہیں لیکن اس روش سے کہتے ہیں کہ عوام کی نظر میں انکی شاہراہ جمہور کی شاہراہ سے علیحدہ معلوم ہو۔ یعنی دلیل میں دونوں متحد لیکن نتیجہ میں دونوں کے اختلاف ہے۔

برفت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

مجتہد صاحب بریلوی بغیر قیود کی جکڑ بندیوں کے ایکقدم نہیں چلے ملاحظہ ہو بریلوی فتوی کی یہ عبارت "دنیوی معاملت جس میں دین پر ضرر نہ ہو سوائے مرتدین مثل **وہابیہ دیوبندیہ وامثالہم** کے کسی سے ممنوع نہیں۔" انکی چند سطر بعد ارشاد ہو سوا اسکا ذکر کافر ذمی کا، ذکر کرنا جسمیں مسلم پر اسکا استعلاء نہ ہو اس عبارت سے تمام سرکاری ملازمتوں کی بنیاد اکھاڑ پھینکی کیونکہ آجکل ملازمت غلامی کی بدترین مثال ہے۔ مجتہد بریلوی کی مرثیہ خوانی کے لئے یہی کیا کم ہے۔

مسئلہ الحاق مدارس واخذ امداد کے متعلق تحریر فرماتے ہیں "وہ الحاق واخذ امداد اگر نہ کسی امر خلاف اسلام ومخالف شریعت سے مشروط نہ اس کی طرف منجر تو اس کے جواز میں کلام نہیں ورنہ ضرور ناجائز وحرام ہوگا مگر عدم جواز اس شرط یا لازم کے سبب سے ہوگا نہ بربنائے تحریم مطلق معاملت جس کے لئے شرع میں اصلا اصل نہیں۔"

قدم قدم پر آپکے شروط و قیود کی بہار دیکھئے۔ یہ معاملات کی بندش و روک تھام نہیں تو کیا ہے۔ اگر علماء کرام نے بھی بحالت موجودہ بعض معاملات کو جس میں نصرت و نصاری ہوتی ہے ناجائز کہا تو کیا برا کیا۔ انہوں نے کب مطلق معاملت کو حرام و ناجائز قرار دیا جسکی نسبت آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ اسکی شرع میں کوئی اصل نہیں۔ ان کا صرف ارشاد یہ ہے کہ (نصرت کے تمام تعلقات و معاملات رکھنے حرام ہیں) کیا لفظ (نصرت) آپکی نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ اگر یہی ہے تو پھر آپ کے لئے جواب کا دوسرا طریق اختیار کرنا چاہئے وہ یہ کہ آپ ہر قسم کے تعلقات و معاملات دشمنان اسلام کے ساتھ جائز مانتے ہیں حتی کہ وہ معاملات بھی آپ کے نزدیک جائز ہیں جنکی رو سے اسلام کی اہانت اور جنگ میں دشمنان اسلام اعانت ہوتی ہے اب آپ کو یہ حق نہیں کہ اپنی بڑھائی ہوئی قیود کی طرح کریں جبکہ علماء کرام کی قید سے آپ اغماض کر گئے مطلق عدم جواز معاملات کا الزام اگر آپ علماء کرام کو دیں گے تو کوئی وجہ نہیں کہ مطلقاً تعلقات و معاملات کا جواز آپ کی طرف منسوب نہ کیا جاوے۔ اس کا چارۂ کار بجز اسکے کچھ نہیں کہ قیود کو نظر انداز نہ کیا جاوے اس صورت میں بجز اس قباحت کے کہ آپ کا الزام غلط ثابت ہو گیا کوئی قباحت نہیں اصل یہ ہے کہ جب ناقابل انکار حقیقت کے اعتراف کرنے کو کسی وجہ سے دل نہیں چاہتا ہے تو اس کے مسخ کرنے کی کوشش کیجاتی ہے۔ یا ایسے پہلو نکالے جاتے ہیں جس سے حقیقت کے روشن چہرہ پر نقاب پڑ جائے مجتہد صاحب بریلوی و مولوی صاحب تھانوی اپنی پوری قوت صرف کرنیکے بعد بھی نصرت کے تعلقات و معاملات کو جب جائز نہ بنا سکے تو مجبوراً دونوں صاحبوں کو ناجائز الزام دینے کی ضرورت پیش آئی کہ بجز اس کے مقابلہ مشکل تھا۔ اول الذکر کی تو سن چکے اب فاضل تھانوی صاحب کی بھی سنئے ارشاد فرماتے ہیں کہ ترک موالات اور چیز ہے اور

ترک تعلقات اور چیز ہے دونوں کو ایک سمجھنا سخت غلطی ہے۔ نہ معلوم کس نے ایک سمجھا ہے جسکے ابطال کی ضرورت پیش آئی۔ یا بیٹھے بٹھائے آپکے دماغ میں ایک بات آئی اور اس کا رد لکھنا شروع کر دیا۔ یوں ہے تو اختراع کرتے جایئے اور رد لکھتے جایئے کوئی آپکا ہاتھ بھی نہ پکڑے گا علماء کرام واضح طور پر ارشاد فرماتے ہیں کہ بعض وہ معاملات و تعلقات جو موالات کے تحت میں ہیں اور جنکے قائم و برقرار رکھنے سے دشمن اسلام کو تائید و نصرت ہوتی ہے وہ قابل ترک ہیں کجا یہ بات اور کجا یہ کہ ترک موالات و ترک تعلقات شئی واحد ہیں۔ سبحان اللہ۔

اس بحث نے اس نتیجہ تک ضرور پہونچا دیا کہ نفس معاملات کے جواز میں کسی کو کلام نہیں رہی پر تعلقات کو قیاس کیجئے یعنی اگر گورنمنٹ برطانیہ ہندوستانیوں کے ساتھ مساویانہ تعلقات کی آمادگی ظاہر کرے تو ایسا کون سنگدل ہندوستانی ہے جو اسکو تسلیم و قبول نہ کرے۔ علماء کرام بھی اسکو ناجائز قرار نہیں دیتے۔ البتہ اب وہ ایسے تعلقات کو کسی طرح جائز نہیں رکھ سکتے جنکی رو سے گورنمنٹ برطانیہ ہمیشہ کے لئے آقا قرار پائے اور ہندستانیوں کی گردن میں غلامی کا طوق پڑ جائے۔ جب یہ گورنمنٹ مذہبی حیات کو ٹھیس لگا چکی اور مسلم کو انکے وطن سے اخراج پر کمربستہ ہو چکی اور قصر خلافت کے انہدام کرنے میں نمایاں حصہ لے چکی مذہبی معاملات میں مداخلت کرنے پر آمادہ ہو گئی تو ایسی گورنمنٹ کے ساتھ نیازمندانہ و غلامانہ تعلقات کو وہی شخص جائز بتا سکتا ہے جو مذہبی غیرت و حمیت نہیں رکھتا یا حکومت کے جاہ و جلال سے اسقدر مرعوب و متاثر ہے کہ جو دل میں ہے وہ زبان پر نہیں لا سکتا در حقیقت ایسے لوگوں کے لئے غلامی ہی سزاوار ہے جبکہ وہ غلامی کی حد سے نکلکر عبودیت کی حد میں آگئے۔ اور حکومت کو آقا کے بجائے اپنا خدا تسلیم کرنے لگے ایسے حضرات قطعاً ہماری بحث سے خارج ہیں۔ ہمارا خطاب صرف ان حضرات سے ہے جو ہر قسم کے تعلقات جائز نہ کہتے ہوئے بھی ہم سے اختلاف رکھتے ہیں ہم میں اُن میں بجز اسکے کوئی حد فاصل نہیں کہ ہمنے بعض ناجائز تعلقات کی تعیین کر دی اور وہ تعیین نہیں کرتے ورنہ بعض معاملات کو وہ بھی ناجائز تسلیم کرتے ہیں

اور تمام معاملات کے عدم جواز کا ہم بھی فتویٰ نہیں دیتے۔ قارئین کرام کو حیرانی ہو گئی کہ جب
اصولاً دونوں فریق متحد ہیں تو پھر یہ چھیڑ چھاڑ کیسی۔ اور اصول تسلیم کرتے ہوئے فروع میں نزاع
کیسا خانقاہی تحریر اس عبرت کا اس طرح خاتمہ کرتی ہے "میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ ترک
موالات اور چیز ہے اور ترک تعلقات اور چیز ہے اگر یہ دونوں ایک مان لئے جاویں تو لازم
آوے گا فاسق و فاجر اور مبتدع مسلمانوں سے بھی بیع وشراء اور لین دین وغیرہ ناجائز ہو جاویگا"
لیجئے **فاضل تھانوی** نے اپنا مدعا ظاہر کر دیا۔ وہ یہ کہ گورنمنٹ برطانیہ کو
تجارتی نفع پہونچانے سے کیوں دریغ کیا جا رہا ہے اور اگر گورنمنٹ سے تجارتی معاملہ
کرتے ہو تو پھر فاسق مسلمانوں سے بھی کرو۔ **فاضل بریلوی** بھی اسی بات سے نقل در آتش
ہیں حق کی ہیبت کی وجہ سے وہ اتنے تو نہیں کھلے جسقدر کہ انکے حریف **فاضل تھانوی**
صاحب کھل پڑے لیکن اشارہ کنایہ میں سب کچھ وہ کہہ گئے۔ جو **فاضل تھانوی** کا مدعا
ہے اور جسکو دیکھکر عوام اسی نتیجہ پر پہونچیں گے جسکی صراحت **فاضل تھانوی** نے کر دی
بریلوی اشتہاری تحریر میں ہے "جدید معاملت مثل نوکری وغیرہ مسلم سے ہو یا کافر
سے بشرطیکہ مرتد نہو۔ انمیں سے جو حرام ہے ہمیشہ سے حرام تھی اور جو حلال ہے اب بھی
حلال ہے حلال کا فعل فی نفسہ شرعاً واجب نہیں" مطلب یہ کہ گورنمنٹ کے ساتھ
تجارتی تعلقات اب بھی جائز ہیں کیونکہ پہلے بھی جائز تھے اور جو چیز ایک بار جائز ہو جاتی
ہے وہ ہمیشہ جائز رہتی ہے۔ حرام لغیرہ کی بحث کو نظر انداز اس وجہ سے کیا گیا تاکہ حق پسندی
کا مستحکم قلعہ کہیں منہدم نہو جائے۔

فاضل تھانوی بھی اسی اصول کو کام میں لائے ہیں جو بریلوی اشتہاری
تحریر میں ہے چنانچہ لکھتے ہیں "مسئلہ موالات میں ان چیزوں کو جو وہ فی نفسہ مباح ہوں
داخل کر کے حرام کہنا کسی طرح صحیح نہیں" مطلب یہ کہ تجارتی تعلق خواہ وہ کسی سے ہو جبکہ
فی نفسہ مباح ہے تو وہ حرام نہیں ہو سکتا۔ اب ان حضرت سے کوئی پوچھے کہ جب تجارتی

تعلقات آپ کے نزدیک جائز تھے تو اس قدر پیچ در پیچ عبارتوں میں بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی کہ پہلے ترک موالات اور ترک تعلقات کے فرق پر زور دیا۔ ثانیاً علمار کرام پر یہ الزام قایم کیا کہ وہ مطلقاً معاملات کو حرام کہتے ہیں انکو چاہئے تھا کہ صاف لفظوں میں اس کا اظہار کر دیتے کہ ہمکو علمار کرام کی اس تجویز سے کہ دشمنان دین کو نفع نہ پہونچانا چاہئے اتفاق نہیں۔ بات ختم ہو جاتی اور اسقدر طومار لکھنے کی نہ انکو ضرورت پیش آتی نہ ہمکو۔

لیکن اس صورت میں حق واضح ہونے کا قوی اندیشہ تھا۔ اور ادہر یہ خوف دامنگیر کہ ایسے صریح باطل قول کو علمار تو علمار عوام تک ٹھکرا دیں گے اس وجہ سے متعدد بے سروپا الزامات اور بے محل فقہی اصول و لفظی بحث کے غلاف در غلاف میں اپنا مکنون خاطر ظاہر کیا گیا۔ بہر حال یہ معلوم ہو گیا کہ اختلاف صرف اسمیں ہے کہ علماء کرام دشمن اسلام گورنمنٹ کو تجارتی فائدہ پہونچانا گناہ عظیم جانتے ہیں اور اسی وجہ سے اسکی حرمت پر فتویٰ دیتے ہیں ان کو تامل نہوا اور یہ دونوں بزرگوار اس میں کوئی قباحت نہیں دیکھتے غالباً اسوجہ سے کہ انگریزوں کے ساتھ ترویج و شعرا دلیپن دین میں ان کا ذاتی کوئی ہرج نہیں صرف اسلام کو ضرر پہونچتا ہے۔ اس سے چنداں بحث نہیں یا شاید یہ بات ہو کہ ان حضرات نے تجارتی تعلق کو اسلام کے حق میں مضر ہی نہیں سمجھا ہے پہلی صورت میں تمام گفتگو کا خاتمہ انکی نیت و عقیدہ پر ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں سوائے لکم دینکم ولی دین کے زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں دوسری صورت البتہ قابل لحاظ ہے۔ اسکے متعلق دونوں بزرگواروں سے اس قدر گذارش ہے کہ آجکل تمام یوروپین سلطنتیں تجارتی اصول پر قایم ہیں اور ان کو فروغ محض تجارت کیوجہ سے ہے۔ گورنمنٹ برطانیہ نے تجارت کی بدولت ہندستان میں اپنے قدم جمائے۔ قدیم زمانہ میں حکومت کے مقابلہ میں تجارت کوئی چیز نہ تھی لیکن آج حکومت کو اگر تجارت سے علیحدہ کر دیا جاوے تو وہ ایک جسد بے روح کیطرح رہجائے گی خصوصاً اہل یورپ کہ انکی زندگی بھی بجز

تجارت مشغل ہے حکومت بجائے خود رہی۔ وہ اپنی حیرت انگیز ایجادات واختراعات کی بدولت تقریبًا تمام کرہ ارض پر چھائے ہوئے اور یورپ چھوڑ ایشیا تک پر حکومت کر رہے ہیں۔ ورنہ سرزمین یورپ وہ سنگلاخ وریگستانی زمین ہے جہاں نہ سوائے چانول کوئی غلہ پیدا ہوتا ہے نہ مختلف اقسام کے پھل اور میوے لیسے ملک میں اگر ہندوستان یا ایشیا کے دیگر علاقوں سے غلہ وسامان رسد نہ جائے تو انکو دن میں تارے نظر آجائیں اسوجہ سے انھوں نے ہندوستان کے ساتھ تجارتی تعلق کی اس طرح بنیاد ڈالی۔ کہ خام سامان ارزاں خرید کر ہندوستان سے لیجائیں اور انکی صورت بدلکر نہایت گراں قیمت پر یہاں فروخت کر دیں اس کے نفع سے ہندوستانی غلہ کے بیشمار انبار انگلستان کی بھینٹ چڑھا دیں اس پر بھی جو پس انداز ہو اور ضرور ہے کہ بہت فراط کے ساتھ پس انداز ہو وہ انکی ذاتی ضروریات ومصارف جنگ وغیرہ میں کام آتا ہے۔ جس سے سلطنت روز بروز مستحکم ہوتی جاتی ہے یہ باتیں پہلے زمانہ میں کہاں تھیں ان امور کا لحاظ کرتے ہوئے ایسی حالت میں جبکہ موجودہ حکومت اسلام کے استیصال پر کمربستہ ہو چکی ہے خیر خواہان ملک وعلمار کرام نے اس چیز کا سد باب کرنا چاہا جو موجودہ حکومت کو مضبوط کر رہی ہے۔ اور وہ تجارت سے بڑھکر کوئی چیز نہیں جب یہ ہے تو ہمکو زیادہ دردسری کی ضرورت نہیں خود بریلوی فتویٰ کی عبارت علمار کرام کی تائید میں پیش قدمی کر رہی ہے کہ "بیچنا ہر جائز چیز کا جس میں اعانت حرب یا اہانت اسلام نہ ہو" فرمایئے ایسی دشمن اسلام گورنمنٹ کے ہاتھ جو تخت خلافت الٹ رہی ہے غلہ وسامان رسد فروخت کرنا اعانت حرب یا اہانت اسلام ہے یا نہیں۔ اور اسکے ساتھ تجارتی تعلقات قایم رکھنا اس کی نصرت وامداد ہے یا نہیں۔ اگر یہ نصرت و امداد ہے تو الحمد للہ آپ ہی حضرات کے فتاوی سے مدعائے علمار کرام پورا ہو گیا اور آپ کی تمام جدوجہد اکارت گئی۔

جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔	حق آیا اور باطل رخصت ہوا بیشک باطل رخصت ہونے کی ہی چیز ہے۔

فاضل تھانوی موجودہ حالت کو پچھلے زمانہ کے حالات پر قیاس فرماکر تجارتی لین دین کیلئے حکم جواز لگا رہے ہیں اس بارے میں متعدد نظائر عہد اقدس کے پیش کئے ہیں کہ دیکھو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں سے لین دین کی اور فلاں نے فلاں سے اس وجہ سے اب بھی یہی حکم ہونا چاہئے اور اس پر انکو سخت حیرت و تعجب ہے کہ اگر ترک موالات کا یہی مقتضا ہے تو پھر ہندوؤں اور فاسق مسلمانوں سے بھی تعلقات لین دین وغیرہ حرام ہونا چاہئے پھر اپنے بیان کو زوردار بنانے کی خاطر خود بخود ایک شبہ وارد فرماکر شاندار جواب دیتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں۔

"اب اگر کوئی یہ دعوی کرے کہ کفار مکہ کے ساتھ ترک تعلقات واجب نہ تھا اور دوسرے کفار کے ساتھ واجب ہے تو اس کو اس فرق کی وجہ بیان کرنی چاہئے۔ کفار مکہ کعبہ میں نماز پڑھنے سے مسلمانوں کو روکتے تھے اسلام لانے پر مسلمانوں کو ایذائیں سخت دیتے تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مذمت بے انتہا کرتے تھے آپکی شان میں بیہودہ کلمات استعمال کرتے تھے۔ قرآن کیساتھ بے ادبی اور تمسخر کرتے تھے ان سب باتوں کے باوجود بھی جب مسلمانوں کو انکے ساتھ ترک تعلقات کا حکم نہ ہوا تو جو حکومت مسلمانوں کو انکے مذہبی شعائر میں پوری آزادی دیتی ہے انکے جان و مال و آبرو کی محافظ ہے۔ قران اور رسول کی بے حرمتی کو قانونا جرم قرار دیتی ہے ہیبت اللہ و ہیبت الرسول کی

زیارت سے نہیں روکتی اسکے ساتھ ترک تعلقات کیسے واجب

ہو سکتا ہے۔

گورنمنٹ برطانیہ کی جو کچھ مولوی صاحبؒ نے مدح سرائی کی اسکے متعلق تو ہم کچھ نہیں کہتے دنیا کا قاعدہ ہے جسکو جس کس ساتھ محبت ہوتی ہے وہ اس کا ہی ذکر خیر کیا کرتا ہے۔ **لعلم من احب شیئا اکثر ذکرہ** لیکن سوال یہ ہے کہ عہد اقدس کے جن تعلقات و معاملات کا مولوی صاحبؒ نے ذکر فرمایا ہے کیا ان سے دشمنان دین کی نصرت و تائید ہوتی تھی۔ کیا ان معاملات کے ذریعہ مسلمانوں سے بڑھکر انکو کوئی نفع پہونچتا تھا۔ یا وہ اس تجارتی منافع کو موجودہ حکومت کیطرح مصارف جنگ میں لگاتے تھے اس کا جواب اثبات میں دینے کیلئے علاوہ ناواقفی کے کسی قدر شوخ چشمی کی بھی ضرورت ہے جس سے جناب مولوی صاحب جیسے مقدس شخص کا دامن پاک ہونا چاہئے۔ لیکن اگر وہ ہمت و جرأت کر کے اثبات میں جواب دینے کیلئے تیار ہو جاویں تو خود وہ عبارت انکو الزام دیدے گی جو صفحہ ۱۰ میں انکے قلم سے نکل گئی کہ البتہ فتنہ کے زمانہ میں اہل فتنہ کے ہاتھ بیع سلاح سے شہارع نے منع فرمایا ہے" کیوں منع فرمایا ہے اسی وجہ سے کہ اس معاملہ سے اہل حرب کی اعانت ہوتی ہے"۔

یہاں مولوی صاحب کا وہ قاعدہ بھی رخصت ہوا کہ جو چیزیں فی نفسہ مباح ہوں انکا حرام کہنا صحیح نہیں"! دیکھئے ہتیار فروشی فی نفسہ جائز امر ہے لیکن فتنہ کے زمانہ میں وہی امر جائز ناجائز ہو گیا۔ مولوی صاحب کو یہ پورا اختیار ہے کہ وہ کسی کی نہ سنیں لیکن اس عبارت کو نہیں بدل سکتے جو ہمارے مفید مطلب انکے قلم سے نکل گئی ہے البتہ یہ بہت ممکن ہے کہ وہ رجوع الی الحق کا حیلہ کر کے اپنی تحریر سے پھر جائیں لیکن مصیبت یہ ہے کہ اب بھی انکی گلو خلاصی مشکل نظر آتی ہے۔ کیونکہ اب مولوی صاحب کے ذمہ یہ فرض عائد ہو گا کہ وہ عہد اقدس کے تعلقات و معاملات کو نصرت کے

تعلقات معاملات ثابت کریں ورنہ نفس معاملت کفار کی کوئی سند یا نظیر پیش کر دینے سے کیا عقدہ کشائی ہو سکتی ہے جبکہ خود علماء کرام بھی اسکے مجوز ہیں اس کیلئے اس قدر دردسری وطومار بکنے کی کیا ضرورت تھی کاش مولوی صاحب براہ راست علماء کرام ہی سے دریافت فرما لیتے تو نہایت آسانی سے عقدہ حل ہو گیا ہوتا اور اسقدر زحمت برداشت کرنا نہ پڑتی۔ اور سچ پوچھو تو اس استفسار ہی کی سرے سے ضرورت نہ تھی جبکہ علماء کرام نے قید (نصرت) کا اضافہ فرما دیا تھا اور اس قید کی رو سے نفس معاملت کفار کے جواز کیطرف اشارہ فرما دیا تھا۔

اس پر بھی **فاضل تھانوی** اپنی غلطی کا اعتراف نہ فرمادیں اور یہ شبہ بصورت دلیل پیش فرمائیں کہ معاملت کفار کا جب ثبوت دیدیا گیا تو اسمیں ہر قسم کے معاملات آ گئے خواہ اسمیں دشمن اسلام کو تقویت و نصرت ہو یا نہو۔ اور پھر خواہ دشمنان اسلام مسلمانوں کو پیس ڈالیں۔ یا اسلام کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کا تہیہ کریں لیکن ان کے ساتھ کوئی معاملہ کسی حالت میں ناجائز نہ ہو گا گو کہ ترک معاملت کفار اسلام و مسلمانوں کو مفید ہی کیوں نہو ایسی صورت میں **فاضل تھانوی** ملزم افحم ہو جائیں گے لیکن ان کی مسلمہ و مصدقہ ترک موالات پھر عنقا کیطرح وہ چیز ہو گی جسکا نشان ہستی بجز **فاضل تھانوی** کے دماغ کے کہیں نہ ملیگا۔ اور موجود ہونے کی صورت میں انکی ہستی اس کی نیستی کے ساتھ مساوات کا دعوے کرے گی **فاضل تھانوی** کا تو اب بھی کچھ نہیں بگڑتا لیکن ایک حکم اسلامی کی ضرور توہین ہوتی ہے کیونکہ کفار خصوصاً دشمنان اسلام سے موالات ترک کرنا ایک اسلامی حکم ہے کہ جسکو ضرور نتیجہ خیز ہونا چاہئے۔ فاضل تھانوی کے مسلک پر یہ محض ایک بے نتیجہ چیز ہے جس کا حاصل بجز اسکے کچھ نہیں کہ دشمنان اسلام کی محبت کو دلمیں جگہ نہ دو باقی تمام تعلقات و روابط ان کے ساتھ جائز ہیں خواہ ان تعلقات کی بدولت ان کو قوت اور مسلمانوں کو ہلاکت ہو۔

انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

ہمارا ترک موالات کے ساتھ یہ عقیدہ ہے کہ وہ ایک نتیجہ خیز اسلامی حکم ہو جب کسی دشمن اسلام کے ساتھ موالات کے ترک کا حکم دیا گیا تو اوسکا یہ مقصد ہونا چاہئے کہ اگر کسی وجہ سے اسکو مقہور و زیر نگین کر سکنے کی قوت نہو تو کم از کم دل میں ضرور جذبہ انتقام موجود ہو اور تا بحدامکان دشمن اسلام کی مغلوبیت و مقہوریت کے وسائل بہم پہونچائے جاویں اور ہر ممکن ذرائع سے اسلام کو تقویت دیجائے اور اسکی نصرت میں کوتاہی نہ کیجائے اور ہر ایک معاملت میں اس امر کا پورا لحاظ رکھا جائے کہ کہیں اسکے ذریعہ دشمن اسلام کو تقویت و نصرت تو نہیں پہونچتی ہے اگر ایسا نہ کیا جائے تو پھر **موالات کفار** کا ترک محض بے سود اور ایک بے اثر چیز ہے جسکے لئے کثرت سے آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ وارد ہونے کی ضرورت نہیں جبکہ وہ اسلام کے حق میں کسی طرح مفید نہیں۔ اسلام معاملت کفار کو ضرور جائز رکھتا ہے لیکن اندھا دھند ہر معاملہ کا اختیار بھی نہیں دیتا اور ایک مکمل قانون الٰہی کے لئے یہی شایان شان ہے۔ اس پختہ اصول کی رو سے قدرتی طور پر تعلقات و معاملات کی تین قسمیں ہو جاتی ہیں۔ اوّل وہ معاملہ جسکے ذریعہ اسلام کے ضروریات اور فرائض پورے ہوتے ہیں گو اسمیں کسی قدر کفار کا بھی فائدہ ہو جاتا ہے۔ دوم وہ معاملت کفار یا تعلق جنکی رو سے اسلام کو تقویت پہونچے یا کم از کم وہ اسلام کے حق میں نہ مفید ہو نہ مضر سوم وہ معاملات و روابط ہیں جو اسلام کے حق میں مضر یا موجب اہانت ہیں اور کفار کے لئے مفید یا باعث اعزاز۔ عقل کے ساتھ اسلام بھی اسکا فتویٰ دیتا ہے کہ آخر الذکر بالکل ناجائز و حرام اور دو اول الذکر جائز ہیں بلکہ بعض خاص حالات میں ان تعلقات کا قایم رکھنا ضروری ہے **فاضل تھانوی** نے عمداً قدس کی جو نظائر پیش کی ہیں وہ تمامتر پہلی یا دوسری قسم میں داخل ہیں جسکے کسی کو انکار نہیں **فاضل تھانوی** کی خصوصیت

ملاحظہ ہو کہ وہ مقاطعہ قریش کو اپنی سند میں پیش کر بیٹھے کہ جس کا بالکل انکار از فاش کر دیا
کہ عہد اقدس کے معاملات ضرورت کی بنا پر تھے اس وقت مسلمانوں کو ضرورت تھی کہ قریش
کیساتھ لین دین کریں کیونکہ مسلمان بنہایت قلیل تھے اور بمشکل انگلیوں پر گنے جا سکتے تھے
یہی تو وہ وجہ تھی کہ قریش نے مسلمانوں کی ایذا دہی کے لئے ان سے مقاطعہ کیا۔ بھلا
اس سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کیونکر خوش ہوتے اور انکے حربہ کو اپنے پر
چلانے کی کس طرح اجازت عطا فرماتے۔

اس وقت اسلام کے حق میں معاملت کفار مفید تھی جس کی اجازت دی گئی۔
آج بعض معاملات کا ترک مفید ہے اس وجہ سے اس کی طرف ہدایت کی جاتی ہے۔
مقصود تحفظ و تسلط اسلام ہے خواہ وہ کسی صورت سے ہو جو صورت جس زمانہ
کے مطابق مفید اسلام ہوگی وہی اختیار کیجائے گی جس کی اجازت پورے طور سے
اسلام نے ہمکو دی ہے۔ دیکھیے اسلام کو جب خود ضرورت مقاطعہ کی پیش
آئی تو اس کی بھی اجازت دیدی گئی چنانچہ شمس الائمہ سرخسی اپنی کتاب مبسوط ابواب السیر
میں ثمامہ بن اثال حنفی کا واقعہ اس طرح لکھتے ہیں کہ:۔

روی ان ثمامة بن اثال الحنفی سید اهل الیمامة اسره اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم وربطوه بسارية المسجد فخرج رسول الله صلی الله علیه وسلم وقال ما وراءك یا ثمامة فقال ان عاقبت عاقبت ذا ذنب وان مننت مننت علی شاکر	اہل یمامہ کے سردار ثمامہ بن اثال حنفی کا واقعہ اس طرح مروی ہے کہ ان کو اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گرفتار کر کے مسجد (نبوی) کے ایک استون کے ساتھ باندھ دیا حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم جب ثمامہ کے پاس تشریف لائے تو ارشاد فرمایا کہ اے ثمامہ کس حال میں ہو۔ ثمامہ نے جواب دیا کہ اگر آپ مجھکو سزا دیں تو ایک مجرم کو سزا دیں گے اور اگر مجھ پر

اسلامی بائیکاٹ

وان اردت المال فعندی من المال ما شئت فاعطیه رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشرط ان یقطع المیرۃ عن اہل مکۃ ففعل ذلک حتی قحطوا۔	احسان ایک شکر گذار پر ہوگا۔ اور اگر مال کا ارادہ کریں تو جس قدر مال چاہیں مجھ سے لیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صورتوں میں سے ایک صورت اختیار کی اور وہ یہ کہ ثمامہ پر احسان کیا لیکن اس شرط سے کہ اہل مکہ (کفار قریش) کا غلہ بند کر دے۔ چنانچہ ثمامہ نے ایسا ہی کیا حتی کہ قریش قحط سالی میں مبتلا ہو گئے۔

دیکھئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہاں مقاطعت (بایکاٹ) کا حکم فرما رہے ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ اسوقت دشمن کے زیر کرنے کے لئے مقاطعت مفید تھی چنانچہ اس کا حکم دیا گیا اور قبل ہجرت مسلمانوں کی انتہائی قلت کے زمانہ میں یہی مقاطعت کفار کے حق میں سود مند اور مسلمانوں کے لئے مضر تھی اس وجہ سے ناراضگی کا اظہار فرمایا گیا۔ اسی کو دیکھئے کہ جب قریش تھارے مجبور و نالاں ہو کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فریاد رسی کے خواہاں ہوئے اور نہایت عاجزی اور زاری کے ساتھ التجا کی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انکی درخواست منظور فرما کر ثمامہ کو تحریر فرما دیا کہ اب غلہ بند نہ کیا جائے یہ پچھلا واقعہ حسب بیان **فاضل تھانوی۔ سیرۃ ابن ہشام** میں مذکور ہے۔ لیکن **فاضل تھانوی** نہ معلوم کس مصلحت سے اس واقعہ کے پہلے حصہ کو حذف کر گئے۔ بہت ممکن ہے کہ مبسوط شمس الائمہ سرخسی کی اس عبارت پر نظر نہ پہونچی ہو **فاضل تھانوی** نے اس واقعہ کے پچھلے حصہ کو نقل کر کے یہ نتیجہ اخذ کیا تھا۔ کہ دیکھو کہ غلبہ کی صورت میں بھی تجارتی تعلقات قائم رکھے گئے۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر انگریز کفار قریش کیطرح مجبور ہو کر داد رسی چاہیں گے جس طرح کفار قریش نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فریاد کی تھی تو ہم بھی اس وقت

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہوئے انگریزوں سے تجارتی تعلقات قایم کریں گے۔ اسوقت تو ہم وہی کریں گے جو پہلی مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے ساتھ کیا۔ اور جس طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مقاطعت کی ہتیار سے قریش کو مغلوب کیا ہم بھی حضور کی اتباع میں دشمن کے مقابلے میں مقاطعت کا ہتیار لیکر کھڑے ہوئے ہیں۔ آپ منع کرنے والے کون۔

فاضل تھانوی نے غلبہ ومغلوبیت دونوں حالتوں میں معاملت کفار کے متعلق مختلف نظائر و اسناد پیش کرکے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ "کفار کی ملازمت اور بیع وشرا اور لین دین کے تعلقات ہر حالت میں درست ہیں مغلوبیت میں بھی اور غلبہ کی صورت میں بھی" لیکن انکو معلوم ہونا چاہئے کہ ایک تیسری صورت بھی ہے اور وہ یہ کہ دشمن اسلام کو زیر کرنے اور اس کی قوت کو منتشر و پراگندہ کرنے کی غرض سے ترک معاملت کی بنیاد ڈالی جائے ثمامہ کے واقعہ کا پہلا حصہ اسی صورت میں داخل ہے۔ **فاضل تھانوی** نے دو صورتیں ذکر کیں لیکن تیسری صورت کے حذف ہی میں انکا فائدہ تھا اس وجہ سے حذف کر گئے۔ اگر غور کیا جائے تو ان نصوص شرعیہ کے علاوہ خود عقل کا بھی یہی اقتضا ہے کہ دشمن کے ساتھ تعلقات میں احتیاط برتی جائے اور جیسا موقع پیش آئے ویسا ہی اسکے ساتھ سلوک کیا جائے۔ جب وہ مغلوب و عاجز ہو کر ہمارے سامنے اپنی کوئی التجا پیش کرے تو اسکو منظور کر لینا چاہئے بشرطیکہ اپنا کوئی ضرر نہو اس کے غلبہ کی حالت میں جبکہ ترک معاملت اپنے حق میں مضر ہو تو کسی نہ کسی صورت سے معاملات کی بنیاد ڈالدینے میں کوتاہی نہ کرنا چاہئے۔ لیکن جس صورت میں بجز ترک معاملت کوئی چارہ کار نہو یا دشمن کے زیر کرنے میں اسکو بھی دخل ہو تو پھر مثل دیگر ہتیاروں کے اس ہتیار کا بھی استعمال جائز ہے۔ خدائے برتر کی شان ہے کہ عہد اقدس میں تینوں صورتیں واقع ہو گئیں اور

ہر صورت کے مناسب جو حکم ہونا چاہئے تھا وہ بارگاہ نبوی سے صادر ہو چکا۔ دین اسلام ایک ایسا مکمل قانون ہے جسکو دنیا میں قیامت تک باقی رہنا ہے لیے دین کے لئے ضرور تھا کہ مختلف زمانوں میں مختلف حالات سے اوس کو سابقہ پڑتا اور ہر حالت کے احکام اسی حالت کے مناسب ہوتے اس وجہ سے خدائے قیوم نے ایسی جامع الکمالات ذات کو مبعوث فرمایا جس کے عہد اقدس میں وہ تمام صورتیں ظہور پذیر ہو گئیں جو قیامت تک ہونے والی تھیں **فاضل تھانوی** اسی خیال میں ہیں کہ حالت موجودہ کی کوئی نظیر ہی عہد اقدس میں نہیں ہے جبھی تو انہوں نے یہ ارشاد فرماکر کہ ہر حالت میں معاملت کفار جائز ہے سب دھان بائیس پسیری کی مثل سچ کر دکھائی ۔۔

فاضل تھانوی کیطرح **فاضل بریلوی** جادہ اعتدال سے زیادہ نہ ہٹے اور اس خیال سے کہ کہیں گرفت نہ ہو جائے موقع بموقع قیود بڑھاتے گئے انہوں نے **فاضل تھانوی** کیطرح مطلق العنان ہونے کو پسند نہ فرمایا انکے زیر نظر بھی یہ تمام اسناد و نظائر تھے لیکن ساتھ اس کے یہ سمجھتے تھے کہ یہ تمام اسناد و نظائر بے کار ہیں اس وجہ سے انہوں نے الزام کی صورت میں رجو نظر عوام میں زیادہ وقیع ہو سکتی تھی، انہار مدعا کو زیادہ مفید سمجھا چنانچہ **بریلوی فتوی** میں ارشاد فرماتے ہیں "نہ بر بنار تحریم مطلق معاملت جس کے لئے شرع میں اصلا اصل نہیں اور خود ان مانعین کا طرز عمل انکے کذب دعوی پر شاہد۔ ریل تار ڈاک سے تمتع کیا معاملت نہیں" **فاضل بریلوی** جانتے تھے کہ عہد اقدس میں کفار کے ساتھ معاملت بھی کئے گئے ہیں اور مقاطعت کی بھی صورت پیش آئی ہے اسوجہ سے ان کو اسی میں صورت فلاح نظر آئی کہ علمار کو مطلق معاملت کفار کا عدم مجوز قرار دیکر الزام قایم کر دینا چاہئے کہ ریل تار ڈاک سے تمتع کیا معاملہ نہیں ہے، ہم

سے کہتے ہیں کہ معاملہ ہے لیکن یہ معاملت کی پہلی صورت میں داخل ہے جو جائز ہے۔
مطلق معاملت کے عدم جواز کا علماء کرام نے فتویٰ دیا نہ انکے کلام میں اس کا
اشارہ بلکہ اس کے خلاف پر انکی تصریح۔ البتہ علماء کرام ریل تار ڈاک ودیگر
تجارتی تعلقات میں فرق کرنے کے ضرور مجرم ہیں۔ آپکا منشایہ ہے کہ اگر
علماء جائز کہتے ہیں تو سب کو جائز کہیں ورنہ بلا تخصیص سب ناجائز قرار دیئے
جائیں۔ اس موقعہ پر ہم اتنا ضرور عرض کریں گے کہ **فاضل بریلوی** اس خودساختہ
اصول کو خود ہی تسلیم نہیں کرتے جیساکہ پہلے گذر چکا۔ آپ کا ارشاد ہے کہ "
بیچنا ہر چیز کا جس میں اعانت حرب یا اہانت اسلام ہو گیا بتخصیص نہیں ہو یا آپ تخصیص کے دائرہ
سے نکل کر **فاضل تھانوی** بننا چاہتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ جمہور کی آواز جمہور ہی کی آواز
ہے افراد میں سے جو مخالفت پر کمربستہ ہوگا وہ قدم قدم پر ٹھوکریں کھائے گا۔
اسی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جمہور کی موافقت پر زور دیا ہے ؁

جمہور علماء کرام کے فیصلہ کی خوبی دیکھئے کہ انہوں نے ریل تار ڈاک
کے تمتع سے منع نہ فرمایا کہ ان چیزوں کے ذریعہ اسلامی ضروریات پوری ہو رہی
ہیں اور فرائض اسلامی ادا ہو رہے ہیں۔ ان معاملات سے بیشک ممانعت کا
حکم جاری فرمایا کہ جو دشمن اسلام گورنمنٹ کو تو اس قدر مفید ونافع ہیں کہ اسکی
سلطنت کا استحکام ہی ان کی بدولت ہے لیکن مسلمانوں کو اُن سے بجز
آرائش مکان وزینت لباس کوئی نفع نہیں جیسے ولائتی پارچہ جات ودیگر اشیاء
ولائتی کی خرید فروخت ولین دین کہ اس میں آرائش کے سوا کیا اسلام کو تقویت
پہونچ رہی ہے اور ان فضول زینت وآرائش ترک کرنے میں وہ کیا مصیبت ہے
جس سے اسلام ومسلمانوں کو مشکلات کا سامنا ہوگا۔ اگر ایسے وقت میں جبکہ
خلافت کا خاتمہ کیا جا رہا ہے۔ اتنے ایثار کے لئے بھی مسلمان تیار نہ ہوئے کہ محض

زیب وزینت کے ترک سے دشمن کی قوت کو پراگندہ کرسکیں تو پھر کوئی بتائے کہ اسلام کے حق میں انکا وجود کس کام کا۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ اسلام کے لئے جان ومال وآبرو واہل وعیال سب کچھ قربان کردیا جاتا تھا آج اسلام کی خاطر زینت وآرایش بھی ترک نہیں کیجاتی کہ جو سلام کی سادگی کے بھی منافی ہے افسوس

دردا سے برحال ما۔

رہے تعلقات۔ انکے بارے میں بھی علماء کرام کا فیصلہ معتدل ہے۔ کہ جو لوگ غریب ومفلوک الحال ہیں کہ سوائے ملازمت کے انکی بسراوقات مشکل ہے وہ ملازمت ترک نہ کریں لیکن اہل ثروت حضرات کہ جنکی گذر کے لئے کافی سرمایہ موجود ہے انکے لئے ملازمت گورنمنٹ کی نسبت مذہبی وقومی خدمات زیادہ موزوں ہیں۔ فرمائیے اس میں بھی کیا ایسی دشواری ہے جسکی نسبت یہ کہا جاسکے کہ نہ دہری جائے نہ اٹھائی جائے **فاضل تھانوی و بریلوی** سلام کے اس خفیف مطالبہ کا بھی خیر مقدم کرنے کے لئے تیار نہیں آخر سلام ہی کی بدولت آج دونوں کو مرتبہ ملا کہ ایک **مجدد المائۃ الحاضرہ** کہلائے جاتے ہیں اور دوسرے **حکیم الامۃ**۔ اس نازک وقت میں مسلمانوں کو دونوں بزرگواروں سے نہ معلوم کیا کیا توقعات تہیں کیا انکی عقیدت کیشی وارادت کا یہی صلہ ہے کہ جو انکو دیا جارہا ہے۔ کہ سبکو منجدھار میں چھوڑ کر خود گوشہ عافیت میں جا بیٹھے اتنا تو خیال کرتے کہ جب خدانخواستہ اسلام بھی نہ رہا تو **بریلوی صاحب وتھانوی صاحب** کو مجدد وحکیم الامۃ تسلیم کرنیوالا کون ہوگا۔

ترک موالات کا بعض معاملات پر اثر

خانقاہی تحریر کی روسے گو ترک موالات محض بے اثر د بے نتیجہ

چیز ہے جو قلوب سے نکل کر کبھی میدان شہود میں نہ آئی اور نہ آسکتی ہے۔ وہ ایک ایسی شئے ہے جو صرف دل میں رہنے اور بسنے کے لئے بنائی گئی ہے اس کی وجہ سے نہ معاملات پر کوئی اثر پڑتا ہے نہ تعلقات پر نہ اس سے کوئی جذبہ انتقام پیدا ہوتا ہے نہ احکام میں کسی قسم کی تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ مباح بدستور مباح رہتا ہے اور حرام بدستور حرام مراقبہ کی طرح اس سے مقصود صرف تزکیہ قلوب ہے اور بس جسکا اندازہ حکیم الامۃ تھانوی جیسے بزرگوار اپنے نور باطن سے کر کے مناسب ہدایات وقتاً فوقتاً تلقین فرماتے رہتے ہیں لیکن افسوس ہے کہ ترک موالات کا یہ مفہوم کہ وہ صرف ایک قلبی کیفیت ہے عہد اقدس میں کسی نے نہ سمجھا عہد اقدس میں جب موالات کے ترک کا حکم ہوتا تھا تو اس کا اثر ضرور معاملات پر پڑتا تھا اور تعلقات میں کشیدگی پیدا ہو جاتی تھی یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عام طور پر بعض معاملات کے رونما ہونے پر موالات کفار کا حکم لگا دیا کرتے تھے واقعہ ذیل سے یہ بات بخوبی ذہن نشین ہو سکتی ہے جو **تفسیر کبیر** میں تحت آیہ کریمہ (یٰایها الذین اٰمنوا لا تتخذوا الیهود والنصاریٰ اولیاء) منقول ہے۔

روی عن ابی موسیٰ الاشعری انه قال قلت لعمر بن الخطاب رضی الله عنه ان لی کاتبا نصرانیا فقال مالك قاتلك الله الا اتخذت حنیفا اما سمعت قول الله تعالیٰ یٰایها الذین اٰمنوا لا تتخذوا الیهود والنصاریٰ اولیاء قلت له دینه ولی کتابته فقال	حضرت ابو موسیٰ اشعری سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا کہ میرے پاس ایک منشی ہے نصرانی اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا تجھے خدا غارت کرے مسلمان منشی کیوں نہیں مقرر کیا۔ کیا تو نے حق تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سنا کہ اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو (اپنا) ولی (مددگار) نہ بناؤ۔

لا اکرمهم اذ اہانهم الله ولا اعزهم اذ اذلهم الله ولا ادنیهم اذ ابعدهم الله۔	(ابو موسیٰ اشعری کہتے ہیں کہ) میں نے عرض کیا اسکا دین اُس کے ساتھ میرے لئے تو اسکی کتابت ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نصاریٰ کی توقیر نہیں کرتا جبکہ خدا نے انکی توہین کی۔ نہ انکی عزت کرتا ہوں جبکہ خدا نے ان کو ذلیل کیا اور نہ انکو قرب میں جگہ دیتا ہوں جبکہ خدا نے انکو دور کیا۔

دیکھئے محض اس معمولی واقعہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسقدر برافروختہ ہوئے نصرانی کے ساتھ معاملہ کرنے کو موالات کفار میں داخل کرکے وہ آیت کریمہ سند میں پیش کردی جسمیں یہود و نصاریٰ کی موالات سے منع کیا گیا ہے۔ حالانکہ اس معاملہ میں نہ اعانت حرب تھی نہ اہانت اسلام نہ اسلام کا کوئی ضرر نہ دشمن اسلام کے لئے موجب تقویت و نصرت۔ پھر عہدہ بھی کوئی معزز عہدہ نہیں بلکہ معمولی منشی گری کا جب ایسے خفیف اور ادنی معاملہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے موالات کفار میں داخل کرکے اس کا خاتمہ کردیا اور معمولی عہدہ پر بھی نصرانی کو نہ دیکھ سکے حالانکہ وہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کا ماتحت و ملازم تھا۔ تو اس سے اندازہ کرنا چاہئے کہ اسوقت حضرت عمر رضی اللہ کی کیا رائے ہونا چاہئے جبکہ انکے سامنے یہ منظر پیش کیا جائے کہ مسلمانوں کی قسمت نصرانی حکومت کے ساتھ وابستہ مسلمان نصاریٰ کے غلام اسیر انکو ناز اور نہ صرف اُس پر اقتصار بلکہ انہدام قصر خلافت کے منصوبے۔ وہ بھی اس نصرانی حکومت کی جانب سے جو مسلمانوں پر مسلط۔

وہ آسمان غیرت کا آفتاب اور بحر توحید کا تابندہ گوہر فاروق اعظم جو اپنی فرط غیرت ایمانی سے ایک نصرانی کو معمولی عہدہ (منشی گری) پر نہ دیکھ سکا نیلا وہ اس

دور نحوست کی کب تاب لا سکتا تھا۔ خصوصاً جبکہ مسلمانوں کی تعداد بھی چالیس کروڑ سے متجاوز ہو۔ بھلا ایسے راسخ الایمان کے کان ترک موالات و ترک تعلقات کی بحث کو سننے کی تاب لا سکتے تھے غالباً بحث ختم ہونے سے پیشتر ہی بحث سنانیوالے کا خاتمہ ہو چکتا۔ جناب حکیم الامۃ تھانوی کے مسلک پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا استدلال اور خفگی دونوں حق بجانب نہ تھے۔ وہ تو حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہی تھے جو خاموش ہو گئے ورنہ اگر حکیم الامۃ تھانوی اس مجلس میں موجود ہوتے تو ضرور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ٹوکتے اور فرماتے کہ آیت کریمہ سے ترک موالات ثابت ہوتا ہے نہ ترک تعلقات۔ ترک موالات اور چیز ہے اور ترک تعلقات اور چیز لہذا نصرانی کا تعلق ملازمت بدستور قایم رہنا چاہئے اس مشورہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ مانتے یا نہ مانتے لیکن اپنے عادت کے مطابق اسکی وہ قدر کرتے جو اس قسم کے مشیروں کی انکے دربار میں ہوجایا کرتی تھی۔ بہر حال اس واقعہ سے اس قدر ضرور ثابت ہو گیا کہ ترک موالات کے تحت میں بعض معاملات بھی آجاتے ہیں نہ یہ کہ وہ کورا مفہوم ہی مفہوم ہے کہ جس کا اثر کسی معاملہ یا تعلق پر نہ پڑے۔ اسی کے مؤید حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ وہ اور ان کے دو ساتھی حضرت ہلال ابن امیہ و مرارۃ بن ربیع رضی اللہ عنہما محض اس وجہ سے مورد عتاب ہوئے کہ انھوں نے کاہلی و سستی کیوجہ سے غزوہ تبوک میں شرکت نہیں کی تھی حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے غزوہ سے مراجعت فرما کران کے حق میں جو حکم دیا اسکی تفصیل صحیح بخاری میں اس طرح ہے:

عن کعب بن مالک قال نھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم	کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم

المسلمین عن کلامنا ایها
الثلثة من بین من
تخلف عنه فاجتنبنا الناس
و تغیروا لنا حتی تنکرت
فی نفسی الارض فما ھی التی
اعرف فلبثنا علی ذلک خمسین
لیلة فاما صاحبای فاستکانا
وقعدا فی بیوتهما یبکیان
واما انا فکنت اشب القوم
واجلدهم فکنت اخرج
فاشهد الصلوٰة مع المسلمین
واطوف فی الاسواق و
لا یکلمنی احد واٰتی
رسول اللہ صلی اللہ علیه
وسلم فاسلم علیه وهو
فی مجلسه بعد الصلوٰة
فاقول فی نفسی هل حرک
شفتیه برد السلام علی
ام لا۔

نے غزوہ میں شرکت نہ کرنیوالے گروہ میں
سے جنھیں ہم تین کے سوا سب مختلف عذر
وحیلے کرکے اسوقت بری ہو گئے تھے)
صرف ہم تینوں کی بات چیت سے
مسلمانوں کو منع فرمادیا (جسکا نتیجہ یہ ہوا)
کہ تمام لوگ ہم سے کنارہ کش ہو گئے اور
ہمارے حق میں انکی حالتیں بدل گئیں اب
میرے لئے وہ زمین پہلی سی زمین نہ رہی
تھی اسی (سختی کی) حالت میں ہم پچاس
روز تک رہے (اس اثنا میں) میرے
دوساتھی تو گھر بیٹھ گئے (اور اپنی حالت زار
پر شب و روز) روتے رہے لیکن میں
چونکہ نوجوان و قوی تھا اسلئے مجھ سے
گھر بیٹھا نہ گیا۔ مسلمانوں کے ساتھ نماز
میں بھی شرکت کرتا بازار میں بھی چکر
لگاتا۔ لیکن مجھ سے بات چیت کوئی نہ کرتا
حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت
میں حاضر ہوکر سلام کرتا جبکہ بعد فراغ نماز
اپنی جگہ پر ہوتے لیکن صاف طور پر جواب
سلام تو بجائے خود رہا) اپنے دل میں کہتا
کہ لب مبارک بھی ہلائے یا نہیں۔

اس حدیث کا پچھلا حصہ یہ ہے جو زیادہ قابل لحاظ ہے۔

حتی اذا مضت اربعون لیلۃ من الخمسین اذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاتینی فقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یامرک ان تعتزل امرأتک فقلت اطلقہا ام ماذا افعل قال لا بل اعتزلہا ولا تقربہا وارسل الی صاحبی مثل ذلک۔	پچاس میں سے چالیس روز گذرنے پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فرستادہ میرے پاس آیا کہا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ تم اپنی بیوی سے کنارہ کش ہو جاؤ میں نے اُن سے دریافت کیا کہ طلاق دیدوں یا کیا کروں اس نے کہا نہیں بلکہ بیوی سے علیحدہ رہو اور اسکے قریب مت جاؤ یہی پیغام میرے دونوں ساتھیوں کو پہونچا دیا گیا۔

اس واقعہ میں اور موجودہ حالت میں بجز اس کے کوئی فرق نہیں کہ عہد اقدس میں ترک موالات ان تین جلیل القدر اصحاب سے کی گئی جنکے ہاتھوں عمارت اسلام کا سنگ بنیاد رکھا گیا ان میں سے کعب بن مالک سوائے غزوۂ بدر اور غزوہ تبوک تمام غزوات میں شریک رہے۔ آج نصرانی حکومت سے موالات ترک کیجاتی ہے۔ عہد اقدس میں محض اس جرم پر کہ شیدایان اسلام سے صرف کاہلی و سستی رونما ہوئی۔ ترک موالات کا حکم ہوا آج اس دشمن اسلام گورنمنٹ سے موالات قطع کیجارہی ہے جو نہ اسلام کو باقی رکھنا چاہتی ہے نہ خلافت اسلام کو۔ عہد اقدس میں اس تعلق کے قطع کرنے کا حکم دیا گیا جس کے بغیر زندگی مشکل ہے۔ یعنی بات چیت کا ترک یہ ایسا زبردست تعلق ہے جو تمام تعلقات پر حاوی ہے۔ اس تعلق کے قطع کر دینے کا یہ مطلب ہے کہ تمام تعلقات کا خاتمہ کر دیا گیا۔ ظاہر ہے کہ ایسا شخص جس سے تمام لوگ بات چیت ترک کر دیں وہ کیا خاک بیع و شرا لین دین کر سکتا ہے

سچ تو یہ ہے کہ ایسے شخص کی درماندگی وبیچارگی کا ہم نقشہ نہیں کھینچ سکتے۔ وہ بولنے والی زبان رکھتا ہے لیکن بول نہیں سکتا۔ وہ بھی دوسروں کی طرح خواہشات وجذبات کا الیم ہے لیکن نہ کوئی خواہش پوری کرسکتا ہے نہ کسی جذبہ کا اظہار۔ وہ اپنی داستان غم سنانا چاہتا ہے لیکن کوئی سننے کے لئے تیار نہیں ایسے مصیبت زدہ کو چالیس روز بعد بیوی سے بھی علیحدہ رہنے کا حکم پہونچتا ہے اور اسی طرح ایام مصیبت میں ایک مونس وغمخوار کے تمتع سے بھی محروم کر دیا جاتا ہے انکی شرح غم قرآن کریم نے اسی طرح کی ہے۔

وعلى الثلثة الذين خلفوا حتى اذا ضاقت عليهم الارض بما رحبت وضاقت عليهم انفسهم وظنوا ان لا ملجأ من الله الا اليه ثم تاب عليهم ليتوبوا ان الله هو التواب الرحيم

اور علی ہذا القیاس اُن تین شخصوں پر بھی جو باتیں حکم خدائے تعالیٰ ملتوی رکھے گئے تھے۔ یہانتک کہ جب زمین باوجود فراخی ان پر تنگی کرنے لگی اور وہ اپنی جان سے بھی تنگ آگئے اور سمجھ لئے کہ خدائے تعالیٰ کی گرفت سے اسکے سوا اور کہیں پناہ نہیں۔ پھر خدائے نے انکی توبہ قبول کرلی تاکہ قبول توبہ کے شکریہ میں آیندہ کیلئے بھی توبہ کرتے رہیں بیشک اللہ تعالیٰ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

خدمت اسلام میں ایک ادنیٰ سستی وکاہلی کا یہ نتیجہ ہوا کہ ان تین جلیل القدر اصحاب کی نہ ارادت وعقیدت کام آئی نہ انکی عذر ومعذوریت پر لحاظ کیا گیا۔ نہ انکی بے ریا طاعات وعبادات پر توجہ کی گئی نہ انکی خدمات سابقہ کی رعایت کی گئی کہ انمیں سے ایک ایک خدمت اسقدر عظیم الشان ومقبول عند اللہ تھی کہ اگر آج تمام کرۂ ارض کے مسلمان متفقہ طور پر کوئی خدمت اسلام انجام دینا چاہیں تو وہ اسقدر مقبول عند اللہ نہیں ہوسکتی جو تنہا ایک صحابی کی خدمت مقبول ہو

ان حالات کے باوجود ایسا شدید حکم انکے حق میں نافذ ہوا کہ تمام تعلقات کے ساتھ خانگی تعلق کو بھی قطع کر دیا گیا اور پورے پچاس روز تک سخت امتحان میں مبتلا کئے گئے جب جاکر کہیں توبہ قبول ہوئی۔ یہ سب کچھ محض تحفظ اسلام کی خاطر ہوا تھا کہ اگر کہیں سستی و کاہلی کا مرض مسلمانوں میں سرایت کر گیا تو پھر حفاظت اسلام کی کیا صورت ہوگی

یہی وہ اصول ہیں جنکی پابندی کی وجہ سے اسلام کو استحکام ہوا۔ اگر یہ سختی کا برتاؤ عہد اقدس میں نکیا جاتا تو گلشن اسلام کی بہار کبھی کی لٹ چکی ہوتی۔ یہ اسی کی برکت ہے کہ اب تک اسلام صفحہ دہر پر باقی ہے آج جبکہ اسلام زغہ اعداء میں گھر گیا ہے تو ضرورت ہے کہ اسی حربہ سے اسکو آزاد کرایا جاوے جو عہد اقدس میں استعمال کیا گیا تھا۔ سچ پوچھو تو اصلی ترک موالات یہ ہے جو عہد اقدس میں کی گئی کہ جسکا اثر خانگی تعلق پر بھی پڑا۔ نہ یہ پست درجہ کی خفیف ترک موالات کہ جسکے دائرہ اثر میں نہ گورنمنٹی ملازمتیں آئیں نہ دیگر ضروری تعلقات آئے اور کچھ بھی تو کیا آئے بیکار ولغو خطابات فضول آنریری عہدے اور وہ تجارتی تعلقات جنکی روسے گورنمنٹ کو بے حد فائدہ ہے اور مسلمانوں کی کوئی ضرورت انکے بغیر اٹکی نہیں رہتی۔ اس پر بھی حکیم الامۃ تھانوی برافروختہ ہیں کہ ہائے گورنمنٹ سے کیوں تعلقات قطع کئے جارہے ہیں وہ تو ایسی اور دیسی ہے اور ترک موالات و ترک تعلقات میں فرق ہے

مہربان من ترک موالات کے سلسلہ میں خانگی تعلق تک تو عہد اقدس میں ترک کرا دیا گیا اب اس سے بڑھکر اگر گورنمنٹ کے ساتھ کسی کا تعلق ہو تو وہ آپ ارشاد فرماویں۔ آپکے نزدیک ترک موالات کے تحت میں کوئی تعلق نہ تھا۔ اب یہ دیکھئے کیسے گہرے تعلقات تک اسکے تحت میں آرہے ہیں۔ اب ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کریں یا حکیم الامۃ کے اس ہیولۂ تخیل کیطرف توجہ کریں کہ ترک موالات اور چیز ہے اور ترک تعلقات اور چیز ہے

اسمیں شک نہیں کہ عہد اقدس میں کفار کے ساتھ معاملہ لین دین بھی ہوا ہے انکے ساتھ تجارتی تعلقات بھی قایم کیے گئے ہیں لیکن وہ زمانہ مصالحت میں قایم کیے گئے یا اسلامی ضروریات رفع کرنے کی غرض سے۔ یہی تعلقات بعض اوقات اسلامی مصلحتوں کو مد نظر رکھکر قطع بھی کردیے گئے۔ مقصود اسلامی مفاد ہے وہ جس طریق سے حاصل ہو خواہ تعلقات قایم رکھکر یا ان کو توڑ کر ہ

ہر سخن وقتے و ہر نکتہ مقامی وارد

اس وقت دشمن اسلام گورنمنٹ سے معاہدہ ٹوٹ چکا ہے اسلام اور گورنمنٹ برطانیہ میں جنگ چھڑ گئی ہے ہر ایک دوسرے کے استیصال کی فکر میں ہے حکیم الامۃ کہ ان کو تعلقات کی فکر دامنگیر ہے۔ زمانہ جنگ کو زمانہ مصالحت پر قیاس فرما رہے ہیں اور اس طرح اپنی حکمت عملی سے امت محمدیہ کو جادہ مستقیم سے ہٹنے کا مشورہ دے رہے ہیں۔

ترک موالات اور مسئلہ دفاع

قارئین کرام بحمد اللہ تعالیٰ اس نتیجہ پر ضرور پہونچ گئے ہونگے کہ **موالات** کے تحت میں وہ تعلقات و معاملات ضرور آجاتے ہیں جو دشمن کے لئے موجب تقویت یا نصرت ہوں **خانقاہی** تحریر کے تیور سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بلا استثنا کسی معاملہ یا تعلق کو موالات کے تحت میں رکھنا نہیں چاہتی۔ ہم کہتے ہیں گو اس کا یہ دعا کتنا ہی غلط ہی لیکن اسکے تسلیم کرنے کے بعد بھی افسوس ہے کہ اس کو اپنے مقصد میں کامیابی نہیں ہوسکتی۔ یہ مسلم کہ موالات کے تحت میں کوئی معاملہ اور تعلق نہ آئے اور اس طرح ترک موالات کی رو سے کسی تعلق کا انقطاع نہو لیکن موجودہ حالت میں **مدافعت** کا فرض مسلمانوں پر عائد ہوگیا ہے نہ صرف **ترک موالات** کا۔

مدافعت کفار کے لئے مسلمانوں کو کامل اختیار دیا گیا ہے کہ وہ جس طریق سے چاہیں مدافعت کریں۔ اس بات میں اسلام انکو کسی خاص طریق کا پابند نہیں کرتا۔ ہر زمانہ کے مناسب جو صورت زیادہ کامیاب ہو سکتی ہے۔ اسی کو مسلمان بے تامل اختیار کر سکتے ہیں۔ آج گورنمنٹ برطانیہ اور اسلام برسرپیکار ہیں برطانیہ اپنی پوری قوت کے ساتھ اسلام کے وجود اور اسکی شوکت کو مٹانا چاہتی ہے اسی طرح اسلام بھی اس گورنمنٹ کے استیصال اور مدافعت کا مطالبہ اپنے فرزندوں سے کر رہا ہے۔ دشمن اسلام۔ اسلام کے فنا کرنے کیلئے کسی طریق کا پابند نہیں ہے اسی طرح سے اسلام بھی مسلمانوں کو حکم دیتا ہے۔ کہ تم بھی مدافعت میں کسی خاص طریق کے پابند نہ رہو ورنہ حریف کے غلبہ کا اندیشہ ہے۔ آج سوال تعلقات و عدم تعلقات کا نہیں ہے۔ بلکہ فتح و شکست اور فنا و بقار کا سوال ہے۔ یہ نہ صرف ہمارا اور علمار کرام کا قول ہے بلکہ اُسکا ارشاد ہے جسکی فرمان کی خود اسلام تبلیغ کر رہا ہے قرآن کریم کی اس آیۃ کریمہ پر غور کرو۔

واعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم۔	مسلمانو! جہاں تک تم سے ہو سکے کافروں کے مقابلہ کے لئے اپنی پوری قوت سے اور گھوڑے باندھے رکھنے سے تیاری کئے رہو کہ ایسا کرنے سے اللہ کے اپنے دشمنوں پر اپنی دھاک بٹھائے رکھوگے۔

یہ آیۃ کریمہ اس امر کی تعلیم دیتی ہے کہ دشمنان اسلام سے مقابلے کے وقت اپنی پوری قوت صرف کر دینا چاہیے اور جس پہلو دشمن پچھڑے اسکو پچھاڑنا چاہئے۔ یہ آیت کریمہ اپنی تفسیر خود ہی ہے۔ اسکو مزید تفسیر کی حاجت نہیں تاہم تفسیر کبیر میں امام فخر الدین رازی لفظ قوۃ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

قال اصحاب المعانی الاولیٰ ان یقال ھذا عام فی کل ما یتقوی بہ علی حرب العدو و کل ما ھو آلۃ للغزو والجہاد فہو من جملۃ القوۃ۔

اصحاب درایت فرمانے ہیں مناسب یہ ہے کہ لفظ (قوۃ) کو عام لیا جائے اس طرح پر کہ اس سے مراد ہر وہ امر ہے جسکے ذریعہ مدافعت دشمن میں (مسلمانوں کو قوت (اور قدرت) حاصل ہو جہاد اور غزوات کے جسقدر آلات ہیں وہ سب قوۃ کے تحت میں داخل ہیں۔

ظاہر ہے کہ آج مسلمانوں کے پاس وہ آلات حرب کہاں جو دشمن کے پاس ہیں ان کے حق میں اگر کوئی سود مند آلہ حرب ہے تو وہ صرف یہی کہ جس تجارت کے ذریعہ دشمن کو فروغ اور استحکام ہو رہا ہے اس کا خاتمہ کر دیں ایسی حالت میں بجنسہٖ ترک موالات کے احکام کو زمانہ مدافعت میں جاری کرنا علاوہ اسکے کہ خلاف شان علم ہے تمیز کے بھی خلاف ہے نصاریٰ سے موالاۃ تو اسلام کو کبھی نہوئی اور نہوگی۔ لہٰذا ترک موالاۃ کوئی آج کا مسئلہ نہیں ہے۔ اسکو طے ہوئے کامل تیرہ سو برس ہو چکے جبکہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تھی کہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ

اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو اپنا ولی مت بناؤ۔

آج مسئلہ مدافعت درپیش ہے۔ مدافعت کیوقت صرف مدافعت فرض ہے نہ کہ یہ نازک خیالیاں کہ "ترک موالات اور چیز ہے اور ترک تعلقات اور چیز" جناب حکیم الامۃ اور اسی طرح حضرت مجدد بریلوی کے نزدیک اگر موجودہ نظام عمل مدافعت کے لئے مفید نہیں تو دونو بزرگوار کا فرض ہے کہ وہ کوئی جدید نظام عمل مرتب کریں۔ کوئی وجہ نہیں کہ علماء کرام بلا لحاظ اسکو مسترد کر دیں ممکن ہے کہ موجودہ نظام عمل سے کوئی بہتر صورت مدافعت کی نکل آئے۔ لیکن یہ عجیب

بات ہے کہ خود کوئی تجویز پیش نہ کریں اور جب ایک تجویز اسلامی حلقہ میں مقبول ہو جائے تو اس میں گوناگوں شبہات قایم کرکے امت محمدیہ میں اختلاف برپا کر دیا جائے

اس سے صاف روشن ہو گیا کہ درحقیقت نفس مدافعت ہی میں دونوں بزرگوار کو کلام ہے۔ جسکو ان فضول بحثوں کے ذریعہ چھپایا گیا ہے یہ بہت ممکن ہے کہ ان کارروائیوں سے مخلوق پر حقیقت آشکار نہو لیکن علام الغیوب سے اندرونی راز کا مخفی رکھنا محال ہے۔ جب یہ نہوا تو کچھ نہوا۔

الحاق مدارس (اور) امداد گورنمنٹ

بحالت موجودہ گورنمنٹ سے امداد لینا اور ایسا تعلق پیدا کرنا جس سے گورنمنٹ کی محبت دل میں پیدا ہو قطعاً حرام ہے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی قدس سرہٗ اپنے ایک فتوے میں جو موالات کفار کے متعلق ہے تحریر فرماتے ہیں۔

موالات بمعنے دوستی اگر من جہتہ الدین باشد متحقق شود بالاجماع کفر است و باعتبار دنیا اگر اختیاری این شخص است پس حرام است یعنی ان تعاطی اسبابہا حرام

وہ موالات جو دوستی کے معنی میں ہے اگر دین کی حیثیت سے کفار کیساتھ ہو تو وہ بالاتفاق کفر ہے اور اگر دنیا کے لحاظ سے ہے تو وہ حرام ہے جبکہ وہ اس شخص کا اختیاری فعل ہو مطلب یہ کہ اپنے اختیار سے ایسے اسباب فراہم کرنا جسکا نتیجہ کفار کیساتھ دوستی ہو حرام ہے۔

ظاہر ہے کہ گورنمنٹ سے امداد لینا اسکو اپنا محسن بنانا ہے اور یہ انسان کا فطری جذبہ ہے کہ محسن کے ساتھ محبت پیدا ہو جاتی ہے اور یہی وہ ہے جس کی حرمت کا شاہ صاحب نے فتویٰ دیا ہے۔ فقہی قاعدہ ہے کہ اسباب المعصیتہ معصیتہ۔ یعنی معصیت کے اسباب بھی داخل معصیت ہیں۔

یہ حکم تو مطلق کفار کا ہے۔ گورنمنٹ کا درجہ اس سے بالاتر ہے۔ بحالت موجودہ گورنمنٹ کو محض کافر تسلیم کرنا درحقیقت گورنمنٹ کو اس کے درجہ سے پست کرنا ہے۔ وہ صرف کافر نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ معاند اسلام بھی ہے۔ یہ نہایت بدتمیزی ہے کہ محض کافر و معاند اسلام میں فرق نہ کیا جائے شریعت اسلامیہ دونوں میں فرق کرتی ہے۔ اور دونوں کے لئے جداگانہ حکم دیتی ہے محض کافر کے لئے اسلامی فیصلہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ دوستی نہ کی جائے اور ایسے تعلقات و روابط نہ پیدا کئے جاویں جنکی رو سے دوستی و محبت میں اضافہ ہو لیکن معاندین اسلام کے حق میں کہ اسلام کے درپے استیصال ہوں اسلام کا یہ فیصلہ ہے کہ ان پر سختی کی جائے اور ان کے ساتھ عداوت و عناد میں شدت ہو۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے۔

یا ایھا النبی جاھد الکفار والمنافقین واغلظ علیھم	اے نبی! کفار اور منافقین کے ساتھ جہاد اور ان پر سختی کرو۔

ظاہر ہے کہ مدافعت و جہاد کا حکم انہیں کفار کے ساتھ مخصوص ہے کہ جو اسلام کے ساتھ برسرپیکار ہوں۔ پس حکم شدت و غلظت میں گورنمنٹ آسکتی ہے نہ کوئی معمولی کافر۔

لطف یہ کہ اس غلظت و عناد کے ساتھ معرکہ آرائی شروع ہو گئی۔ ایسی حالت میں کس قدر بدتمیز ہیں وہ مسلمان جو ابھی تک یہ دریافت کئے چلے جارہے ہیں کہ گورنمنٹ سے امداد لیں یا نہ لیں ؎

فرید بسوخت وہنوز اختلاف باقی ہست

علاوہ ازیں فقہی قاعدہ ہے کہ کل ما انجر الی محظور فھو محظور۔ جو فعل کسی ممنوع و ناجائز فعل کی طرف پہنچا دیتا ہے وہ خود ممنوع و ناجائز ہے اس

قاعدہ سے ہم بہت آسانی کے ساتھ صحیح نتیجہ پر پہونچ سکتے ہیں۔ سب سے پیشتر
گورنمنٹی کالجوں واسکولوں کے اغراض پر غور کرو۔ حکومت کو کالجوں واسکولوں
کے قایم کرنے سے غرض ہے اپنے عمل کا استحکام اور اپنے قانون وآئین کی
ترویج۔ اس کی یہ ہر دو غرض بغیر اسکول وکالج قایم کئے ہوئے پوری نہیں
ہوسکتیں۔ اس وجہ سے نہایت فیاضی کے ساتھ وہ کالجوں واسکولوں میں رقم
صرف کرتی ہے کیونکہ ترویج آئین ونظام عمل کے استحکام سے خود سلطنت کو
استحکام وفروغ ہورہا ہے۔ اسی طرح جو غیر سرکاری کالج یا اسکول گورنمنٹ
کی اغراض پوری کرنے کا ذمہ لے لیتے ہیں۔ اس کی امداد میں بھی گورنمنٹ
دریغ نہیں کرتی بشرطیکہ اسکو اس کا کافی اطمینان ہوجائے۔ یہی وجہ ہے
کہ جن مدارس میں گورنمنٹ کی اغراض پوری نہیں ہوتیں وہاں وہ امداد
دینے کے لئے بھی تیار نہیں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ وہ خالص اسلامی عربی مدارس
میں خفیف سے خفیف بھی امدادی رقم دیتی ہے۔ اگر گورنمنٹ کو اپنے اغراض
مدنظر نہ ہوتے اور محض خوشنودی رعایا کے اصول پر یہ امداد مبنی ہوتی تو آج
خالص اسلامی مدارس بھی اسکے فیاضی کے زیر بار احسان نظر آتے لیکن
جہاں تک ہمکو علم ہے اسکی کوئی نظیر موجود نہیں۔ اس کا ہم ذمہ نہیں لیتے
کہ کسی خاص اسباب وحالات کی بنا پر کسی خالص عربی مدرسہ نے کوئی امداد
حاصل کرلی ہو۔ بحث عموم سے ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ مفقود ہے ورنہ
جس طرح آج علیگڈھ کالج ودیگر غیر سرکاری کالجوں واسکولوں کو گورنمنٹ
کی جانب سے بیش قرار امداد مل رہی ہے اسی طرح دارالعلوم دیوبند کو بھی
اس سے محروم نہ رہنا چاہیے تھا جبکہ علیگڈھ کالج کیطرح وہ بھی قدیم مدرسہ ہے
اور دونوں تقریباً ساتھ ساتھ عالم وجود میں آئے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے

کہ وہ گورنمنٹ کے اغراض پورا کرنے کا ذمہ دار نہیں۔ اس لحاظ سے گورنمنٹی امداد
درحقیقت ایک معاملہ اجرت ہے کہ چند چاندی کے سکے دیکر ایک اجیر (مزدور)
حاصل کر لیا۔

آئین گورنمنٹ کے متعلق اسلامی فیصلہ یہ ہے کہ وہ باطل وغلط ہے اور
اس پر عمل پیرا ہونا جائز وحرام۔ اسلام مخلوق کے کسی آئین کی تائید نہیں
کرتا۔ وہ صرف اس آئین کا حامی ہے جو خدائے ذوالجلال کی طرف سے
ہے بالفاظ دیگر یوں سمجھئے کہ آئین خداوندی کا دوسرا نام اسلام ہے اسلام صاف
لفظوں میں ببانگ دہل یہ کہتا ہے کہ لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق کسی مخلوق
کی طاعت جائز نہیں جبکہ اس میں خالق کی معصیت ہو جس طرح گورنمنٹ
اور اسلام کے درمیان معرکہ آرائی ہے اسی طرح آئین گورنمنٹ وآئین اسلام
میں تصادم ہے جس طرح گورنمنٹ اپنے آئین کو رواج دینا چاہتی ہے۔ اسی طرح اسلام
اپنے آئین کی تبلیغ ضروری قرار دیتا ہے۔ ہر دو آئین کا تصادم آج نہیں ہوا بلکہ
پیشتر سے ہے۔

چاہئے تو یہ تھا کہ جس طرح گورنمنٹ خالق اکبر کے سامنے ایک بے حقیقت
شے ہے۔ اسیطرح خالق اکبر کے قانون اور آئین کے سامنے گورنمنٹ کا قانون
(جو اس قانون کے مصادم ہے) ہیچ ہوتا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ آج آئین
گورنمنٹ اس اوج وعروج پر ہے کہ اس کا جاننے والا پچاس روپیہ لیکر
تو صرف بات کرتا ہے اس کے مقابلے میں آئین اسلام اس تنزل کو پہونچ چکا
ہے کہ اس کا پابند اور اسکا جاننے والا بڑا خوش قسمت وہ شمار کیا جاتا ہے
جسنے اپنے کو فاقہ سے محفوظ کر لیا ہے۔ یہ بات بھی اسکو کسی دوسری تدابیر
حکمت عملیوں کی بدولت میسر آتی ہے نہ کہ نفس آئین الٰہی کے جاننے کی وجہ سے

اگر ان تدابیر کو کوئی کام میں نہ لائے تو پھر اس کے لئے یہ بہتر ہے کہ دنیوی زندگی کے بجائے وہ آخرت کی زندگی تلاش کرے۔ اسی پر ہر دو آئین جاننے والوں کی حرمت وعزت کو بھی قیاس کر لیجئے، کہ اگر واقف آئین گورنمنٹ کے در دولت پر عمائدین کی بگھیاں اور موٹر کھڑے ہوئے ہیں تو دوسرے طرف یہ تماشا بھی آپ کو نظر آجائے گا۔ کہ ایک عالم قانون خدائے ذوالجلال حکم خداوندی کی تبلیغ کے لئے ایک معمولی صاحب ثروت کے مکان پر جاتا ہے لیکن اسکو باریابی نصیب نہیں ہوتی۔

یہاں قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بندوں کے آئین کا یہ عروج اور خدائی قانون کی یہ پستی آخر اس کا سبب کیا ہے۔ اس کا جواب اُسی قاعدے فقہی سے ملجاوے گا اور وہ یہ کہ جب آئین گورنمنٹ اسلامی تعلیم کی رو سے باطل تھا تو اسکی ترویج ناجائز وممنوع ہوئی گورنمنٹ کالجوں میں تعلیم پانا اس ممنوع آئین کا باعث ترویج ہوا پس ترویج کی طرح وہ تعلیم بھی ناجائز ہوئی کیونکہ معصیت کا سبب بھی معصیت کے شمار میں ہے یہ معصیت ایک دوسری معصیت کا سبب بن گئی۔ وہ یہ کہ اسلامی تعلیم مسلمانوں کے ہاتھ سے جاتی رہی کیونکہ عادۃً دونوں تعلیموں کا جمع کرنا غیر ممکن ہے۔ گورنمنٹی تعلیم اتنی مہلت ہی نہیں دیتی کہ قبل یا بعد کوئی مسلمان محض ضروریات اسلامی کی تعلیم سرسری طور پر ہی حاصل کر سکے یہ فرض عین کا ترک ہوا کیونکہ ضروریات اسلامی کا جاننا ہر مسلمان پر فرض ہے اور تارک فرض مبتلائے معصیت وحرام ہے غرض جب اسلامی تعلیم ہی سے مسلمان کورے رہے تو اسکی تبلیغ کرنے والا بجز مسلمانوں کے کون اس کا نتیجہ بجز اسکے ہونا ہی کیا تھا کہ گورنمنٹی آئین اس عروج پر ہوگیا اور اسلامی آئین انحطاط کی آخری منزلیں طے کر رہا ہے۔

حریف اسلام گورنمنٹ بازی لے گئی۔ اور اسلام مسلمانوں کا منہ تکتا رہ گیا اب تعلیم حاصل کرنے والوں کے اغراض سنئے۔ عموماً فرط حب دنیا و حب جاہ کے لئے یہ تعلیم حاصل کیجاتی ہے اور یہ دونوں حرام ہیں۔ یہ معصیتہ علی المعصیتہ ہوئی۔ حق تعالیٰ محفوظ رکھے۔ رہے وہ حضرات جو محض ضرورت کی وجہ سے تعلیم حاصل کرتے ہیں وہ بغایت کم بلکہ نایاب ہیں۔ اُن کا مقصد حب جاہ نہ ہی ملازمت ضرور ہوتا ہے۔ بحالت موجودہ گورنمنٹی ملازمت میں سعی کرنا گورنمنٹ کی موالات ہے کہ جو حرام ہے جیساکہ واضح ہو چکا تحصیل رزق کے دوسرے جائز وسائل کے ہوتے ہوئے محض ضروریات زندگی کے رفع کرنے کی خاطر گورنمنٹی تعلیم حاصل کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ البتہ جو پہلے سے ملازم ہیں انکو بخوف مستثنیٰ کیا گیا ہے نہ یہ کہ سعی ملازمت کی اجازت دی گئی ہے۔

یہ بحث صرف گورنمنٹی تعلیم کے اغراض کے متعلق تھی۔ باقی رہا اس تعلیم کا زہریلا اثر جسکو آج ایک دنیا جانتی ہے۔ فارغ از بیان ہے۔ کہ دین میں عداوت احکام شرعیہ سے بے اعتنائی۔ نیچراپرستی سب کچھ اس تعلیم کے جاننے والوں میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور یہ سب شریعت اسلامی کی رو سے حرام ہیں پس حسب قاعدہ مذکورہ نفس تعلیم ممنوع و حرام ہے۔

غرض ایک اسلامی اصول کے ترک سے یہ قبائح رونما ہوئے جس امر کو آج بے حد ٹھوکریں کہانے کے بعد لوگوں نے سمجھا ہے اسکو فقہاء کرام پہلے ہی طے کر گئے تھے۔

یہ تمام احکام نفس تعلیم کے متعلق تھے جس سے امداد گورنمنٹ کی حرمت پر استدلال کیا گیا ہے کہ وہ اس ناجائز تعلیم کی شرط پر امداد دیتی ہے۔ آج زمانہ ترک موالات و مدافعت ہے۔ اس زمانہ مدافعت میں نفس امداد حاصل کرنا ہی

ممنوع ہے خواہ گورنمنٹ جائز تعلیم ہی کے لئے امداد کیوں نہ دے حمیت وغیرت اسلام اسکی اجازت نہیں دیتی کہ وہ اپنے حریف کا شرمندہ احسان ہو مجدد صاحب بریلوی بھی ان احکام کو خوب سمجھے ہوئے تھے لیکن جبکہ انکے دل میں اسلامی درد کیطرح مسلمانوں پر خفگی بھی ہے اس وجہ سے وہ اس مسئلہ میں خفگی کے پہلو پر آگئے۔ ادھر یہ بھی خیال تھا کہ کوئی بات خلاف احکام اسلام قلم سے نہ نکل جائے دونوں باتوں کا لحاظ فرماتے ہوئے امداد گورنمنٹ کے متعلق بریلوی فتوے میں تحریر فرماتے ہیں۔

"۔۔۔ الحاصل اخذ امداد اگر نہ کسی امر خلاف اسلام و مخالف شریعت سے مشروط نہ اسکی طرف منجر تو اسکے جواز میں کلام نہیں ورنہ ضرور ناجائز وحرام ہوگا مگر عدم جواز اس شرط یا لازم کے سبب ہوگا نہ بربنائی تحریر مطلق معاملت جسکی لئے شرع میں اصل نہیں اور خود ان مانعین کا طرز عمل انکے کذب دعوے پر شاید ریل تار ڈاک سے تمتع کیا معاملت نہیں فرق یہ ہے کہ اخذ امداد میں مال لینا ہے اور اس کے استعمال میں دنیا عجب کہ مقاطعت میں مال دینا حلال اور لینا حرام"

دیکھئے کیا پہلو دار عبارت ہے کہ ہم اس کی داد دینے سے قاصر ہیں یہ عبارت چند خوبیوں پر مشتمل ہے۔ اول یہ کہ علماء کرام کو یہ باطل الزام دے کر کہ وہ مطلق معاملت کو حرام کہتے ہیں، اپنا دلی بخار نکال گئے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ جیساکہ معاملات کی بحث میں گذر چکا۔ دوم یہ کہ مسئلہ اخذ امداد کو وضاحت کے ساتھ نہیں بیان کیا کہ جائز ہے یا ناجائز بلکہ فقہی قیود کے ساتھ جکڑ بند کردیا اس میں مصلحت یہ کہ ادھر مستفتی کچھ نہ سمجھ سکے اور ادھر وقت پر گریز کا موقع

ل جائے۔ سوم یہ کہ اس باطل الزام سے ناسمجھ مستفتی یہ سمجھ لے کہ علمار کرام حق پر نہیں ہیں جبکہ وہ سرعت کے ساتھ اس نتیجہ پر پہونچ جائے کہ گورنمنٹ سے اخذ امداد جائز ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ بریلوی فتوے کا معلن حاکم علی موقوف شدہ پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور جواز ہی سمجھ گیا چنانچہ اسی اعلان کے اخیر میں اس طرح نتیجہ نکالتا ہے کہ۔

"لہٰذا علی گڑھ کالج کا الحاق اور اسلامیہ کالج کا الحاق جائز ہے۔ اور سرکار سے ان دونوں کے لئے امداد لینا جائز ہے"

اب علمار کرام کی حیرانی ملاحظہ ہو کہ وہ نہ حاکم علی جیسے ناسمجھ لوگوں کی صدائے بے ہنگام کو روک سکتے ہیں کیونکہ انکا اعتقاد ہیر مجدد بریلوی پر بہلا وہ کب ان کا ارشاد سنتے لگے۔ اور نہ مجدد صاحب بریلوی کو الزام دے سکتے ہیں کیونکہ بریلوی صاحب کے حق میں ان کی بڑھائی ہوئی قیود نہ کسی امر خلاف اسلام و مخالفت شریعت سے مشروط نہ اس کی طرف منجر ہا سپر بنجائیں گی وہ صاف ارشاد فرمادیں گے ہیں نے مطلق جواز امداد کا کب فتویٰ دیا قیود پر نظر ڈالی جائے۔ لطف یہ کہ قیود سب علمار کرام کو مفید کہ ان کی رو سے الحاق واخذ امداد ناجائز لیکن الزام کسی کو نہیں دے سکتے اور نہ فتنہ اختلاف کو فرو کر سکتے ہیں۔ فتویٰ کی غرض تھی اظہار حق لیکن اب اس سے اخفار حق واظہار باطل کا کام لیا جارہا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ رہا یہ امر کہ مقاطعت میں دینا حلال ولینا حرام اسکا تحقیقی جواب نہایت تفصیل کیساتھ آیات واحادیث کے حوالہ سے دیدیا گیا۔ ریل۔ تار۔ ڈاک وہ معاملہ ہے جسکے ذریعہ ضروریات وفرائض اسلامی انجام پاتے ہیں اور اسمیں گورنمنٹ کا کوئی احسان بھی نہیں جبکہ وہ اجرت لے لیتی ہے تاکہ محبت یا میلان

خاطر اسکے طرف ہو سکے لیکن امداد بالکل احسان کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے جسمیں علاوہ مفاسد مذکورہ میلان خاطر و جذبہ تشکر پیدا ہوتا ہے جو قطعاً ممنوع ہے اور جسکی اجازت حکیم الامۃ تھانوی بھی نہیں دیتے۔

الزامی جواب ایک استفسار پر موقوف وہ یہ کہ اگر کوئی دیوبندی رجو حسب زعم آں جناب کا فرد مرتد ہے اور جنکے ساتھ مقاطعت آپ کے نزدیک فرض) آپ کے مدرسہ کو مالی امداد دے تو آنجناب اس امداد کو قبول فرمائیں گے یا ناجائز کہکر مسترد فرمادیں گے۔ صورت اول آپ کی حمیت وغیرت کو صدمہ پہونچاتی ہے کہ جسکو مرتد بتائیں اُسی کی امداد پر اپنا مدرسہ چلائیں و نیز آپ کے اصول مقاطعت کے بھی خلاف۔ صورت ثانی میں ہمارا مدعا حاصل۔ اس صورت کو بھول نہ جائیگا۔ اور سنئے بالفرض دیوبند کیطرف سے مختلف تحریرات کا لگاتار سلسلہ قایم ہو اور آپکے زعم کے مطابق ایسی ہوں کہ انکے جواب نہ دینے کی صورت میں کل ہندوستان کے کفر و ارتداد میں مبتلا ہو جانے کا قوی اندیشہ ہو اور اسپر یہ امر مستنراد کہ تمام مطابع پر دیوبندی مسلط ہوں لیکن اُجرت کیساتھ وہ ہر قسم کی تحریر چھاپنے پر آمادہ ہوں ایسی حالت میں آن جناب کیا کریں گے مقاطعت کے اصول پر خاموش رہیں گے یا اجرت دیکر اپنی ہدایت مآب تحریر شائع کرائیں گے۔

پہلی صورت آپ کی شان تبلیغ کو بٹہ لگاتی ہے اور آپ ایک اسلامی فرض کے تارک ٹھہرتے ہیں جو ایک مجدد کی شان سے بعید ہے۔ دوسری صورت میں آپ کا طعن خود آپ پر عود کرتا ہے، کہ وہ عجب کہ مقاطعت میں مال دینا حلال اور لینا حرام ہو ورنہ اس کا سبب ارشاد ہو کہ کیوں دیوبندی سے مدرسہ کے لئے امداد نہ لی۔ اور اشاعت تحریریں اوس کو رقم دی۔ جب آن جناب کی یہ غیرت ہے تو اسلام آپ سے بدرجہا زیادہ غیرت رکھتا ہے۔

ہندو مسلم اتحاد

اس اتحاد کے متعلق تین قسم کے شبہات کئے گئے ہیں اول یہ کہ انگریزوں سے مقاطعت اور ہندوؤں کے ساتھ مصالحت۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی جبکہ دونوں غیر مسلم ہیں مقاطعت (بائیکاٹ) دونوں سے ہونا چاہئے ورنہ کسی سے نہیں دوم یہ کہ ہندو انگریزوں کی نسبت مقاطعت کے زیادہ مستحق ہیں۔ کیونکہ ہندو مشرک ہیں اور انگریز نصرانی۔ قرآن کریم نے مشرک و یہود کو عداوت میں سخت تر اور نصرانیوں کو مودت (دوستی) سے قریب تر ظاہر کیا ہے یہ شبہ جناب حکیم الامۃ۔ تھانوی کا ہے۔ سوم یہ کہ تحریک ترک موالات شرعاً ناجائز تحریک ہے۔ کیونکہ اس میں لیڈران اسلامی نے شعائر اسلامی کو ترک اور شعائر ہنود کو اختیار کیا ہے۔

ان ہر سہ شبہات کا استیصال اس آیۂ کریمہ نے کر دیا۔

لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓي اِخْرَاجِكُمْ

حق تعالیٰ تمکو ایسے کافروں کیساتھ بھلائی اور انصاف کرنے سے منع نہیں کرتا جنہوں نے تمہارے ساتھ مذہبی لڑائی نہیں لڑی اور تمکو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا بیشک اللہ تعالیٰ انصاف کرنیوالوں کو دوست رکھتا ہے خدائے تعالیٰ (تو) ان کافروں کی دوستی اور باہمی امداد کرنے سے روکتا ہے جنہوں نے دین کے معاملہ میں تم سے قتال

اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۔ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ؁	کیا تمکو اپنے ممالک سے بے دخل کر دیا اور تمہارے اخراج اور بے دخل کرنے میں مدد دی اور جو لوگ ایسے کفار سے موالات رکھیں وہ سب ظالم ہیں۔

اس سے واضح اور صاف تر کیا فیصلہ ہو سکتا ہے۔ اس آیۃ کریمہ کی رو سے کفار کے دو فریق ہو گئے۔ پہلا فریق وہ جو اسلام سے بر سر پیکار ہو اور دوسرا فریق وہ جو اسلام کا مقابلہ نہیں کرتا۔ پہلے کا یہ حکم کہ اس سے موالات اور مناصرت کے جمیع تعلقات قطع کر دو خواہ وہ یہود و مشرک ہوں یا نصرانی یہ آیۃ کریمہ کسی کی تخصیص نہیں کرتی۔ پچھلے کا یہ حکم کہ اُس سے بھلائی اور سلوک روا رکھو اور اس کے ساتھ انصاف کرو۔ اس میں بھی کسی کی تخصیص نہیں ہے۔ دین اسلام ایک مکمل قانون و شجاع و بامروت مذہب ہے۔ اس میں جس طرح اندرونی معاملات و باہمی تعلقات اور ان کے متعلق احکام کی کامل تشریح ہے۔ اسی طرح بیرونی تعلقات کی بھی کافی توضیح اس میں موجود ہے۔ **اسلام** اپنے شجاع ہونے کے سبب سے اس دشمن کے ٹھکرانے اور کچلنے کے لئے تیار ہے جو اس کے مقابل اکھڑا ہو پھر وہ خواہ کتنا ہی طاقتور اور صاحب جبروت ہو **اسلام** اس کی کچھ حقیقت نہیں سمجھتا کیونکہ اسلام صرف خدائے قیوم پر اعتماد کرانے کے لئے دنیا میں آیا ہے۔ جس دین کی ہدایت یہ ہو کہ ہر معاملہ میں خدائے قیوم پر اعتماد کیا جائے اور اسکے مقابلے میں تمام اسباب اور کل مادی طاقتیں ہیچ سمجھی جائیں اس سے بڑھکر کون شجاع مذہب ہو سکتا ہے۔ اسی طرح **اسلام** بامروت دین ہے کہ جو اخلاق سے پیش آئے یا آمادہ صلح ہو اسکے ساتھ اخلاق سے پیش آئے اور صلح کے لئے ہاتھ بڑھائے اور یہی مقتضائے عقل و فطرت ہے

چونکہ دین اسلام دین فطرت ہے۔ اس وجہ سے اس کے احکام بھی نہایت سادہ وصاف اور فطرت کے مطابق ہیں۔

اس کے بعد یہ معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ کون برسرپیکار ہے۔ اور کون آمادہ مصالحت۔ ظاہر ہے کہ ہندو نہ خلافت کا خاتمہ کر رہے ہیں نہ مقامات مقدسہ کو تحت میں لانا چاہتے ہیں بلکہ انکی جانب سے ایسے نازک وقت میں پیہم ہمدردی کی آواز بلند ہو رہی ہے۔ آج صرف عیسائیت اسلام کے ساتھ دست بگریباں ہے کہ جو اسلام کا استیصال کرنا چاہتی ہے پھر یہ کس قدر بدتمیزی ہے کہ جو معاملہ مقاطعت ایسے دشمن اسلام کے ساتھ کیا جائے وہی صلح جو قوم سے بھی ہو۔

بحمد اللہ تعالیٰ اس تقریر سے ہر سہ شبہات کا قلع قمع ہو گیا۔ پہلے دو شبہ کی لغویت فارغ از بیان ہے پہلا شبہ البتہ نظر عوام میں ذرفی ہے کہ اس تحریک (ترک موالات) کی بدولت شعائر اسلامی کی سخت توہین ہوئی کہ بعض لیڈران قوم نے قشقے لگائے بجے کے نعرے بلند کئے۔ گاندھی جی کو حضرت امام مہدی کے قائم مقام مانا وغیرہ وغیرہ

یہاں دریافت طلب یہ امر ہے کہ کیا واقعی بعض لیڈران نے ایسا کیا جہاں تک ہمکو علم ہے یہ افواہ محض بے بنیاد ہے جسکا منشاء بجز اسکے کچھ نہیں کہ ان جوان مردوں اور مجاہدین فی سبیل اللہ کو بدنام کرکے اس اسلامی تحریک کا خاتمہ کر دیا جائے اور اس طرح دشمن اسلام گورنمنٹ کا طوق غلامی ہمیشہ کے لیے مسلمانوں کی گردن میں پڑ جائے۔ اور اگر اس واقعہ کی کچھ اصلیت ہے تو یہ الزام صرف ان لیڈران پر عائد ہو سکتا ہے جنہوں نے ایسا کیا اس کا اثر ان کی ذات تک محدود رہنا چاہئے نہ یہ کہ ایک ضروری اسلامی تحریک ناجائز

دستر و ہو جائے۔ یوں ہو تو پھر نماز و روزہ و حج و زکوۃ پر بھی ہاتھ صاف کرنے کا راستہ نکل آئے گا کیونکہ ناواقفیت کیوجہ سے اکثر حضرات ان ضروری ارکان میں بے اعتدالیاں کر گذرتے ہیں۔ مفاسد بے اعتدالیوں کی وجہ سے ان ارکان کی فرضیت نہیں رخصت ہو سکتی بلکہ مفاسد کی اصلاح کیجائے گی۔ اور فرض بدستور فرض رہیگا۔ آج مدافعت دشمن اسلام فرض ہے یہ فریضہ بعض مفاسد کے رونما ہونے سے ساقط نہیں ہو سکتا۔ دیکھو فقہائے کرام اسکی تصریح کرتے ہیں کہ جنازہ کے ساتھ اگر نوحہ کرنے والی عورتیں ہوں تو سنت اتباع جنازہ ترک نہ کرنا چاہئے کہ حسنات سیئات کیوجہ سے ترک نہیں کئے جا سکتے۔ جب ایک امر مسنون بعض مفاسد کے رونما ہونے سے قابل ترک نہیں ہے تو یہ کسقدر ستم کی بات ہے کہ بعض حضرات کے ایک ناجائز فعل سے فریضہ اسلامی ہی ترک کردیا جائے۔ علماء کرام کسی کے ناجائز فعل کے کب ذمہ وار ہیں۔ کیا کوئی اسکا ذمہ لے سکتا ہے کہ ہندوستان جیسے طویل عریض ملک میں کوئی شخص بھی ناجائز فعل نہیں کرے گا۔ کتنی ہی بہتر سے بہتر تحریک ہو اس کے متعلق ہرگز یہ ذمہ نہیں لیا جا سکتا کہ وہ بالکل منزہ عن النقائص رہے گی اور اس کو کسی مفسدہ سے سابقہ نہیں پڑ سکتا۔ البتہ علماء کرام کا یہ فرض ہے کہ مفاسد سے عوام کو روکیں چنانچہ یہ فرض انہوں نے اپنے متفقہ فتوے میں ادا کر دیا کہ جو فقیر کے پیش نظر ہے اور اسکی عبارت یہ ہے۔

> لیکن فرط جوش اتحاد ہندو مسلم میں مسلمانوں کو کوئی ایسا امر نہیں کرنا چاہئے جو غیر مشروع ہو۔ ورنہ ایسا اتحاد جس سے دیگر مفاسد پیدا ہوں ناجائز ہے۔ ان امور میں فقہ کا ایک قاعدہ کلیہ ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہئے۔

درء المفاسد اولیٰ من جلب المصالح اذا تعارضت مصلحة ومفسدة قدم دفع المفسدة غالبا لان اعتناء الشرع بالمنهیات اشد من اعتنائه بالماموات (الاشباہ والنظائر)

مصلحتوں کی رعایت کے اعتبار سے مفاسد کا دفع کرنا اولیٰ ہے اور جب کوئی مصلحت اور مفسدہ متعارض ہو تو اکثر دفع مفسدہ کو ترجیح ہوتی ہے اسلئے کہ منہیات سے رکنے کیطرف شرع کی توجہ زیادہ ہے اعتبار توجہ الی الماموات کے۔

علاوہ ازیں مجدد بریلوی و حکیم الامۃ تھانوی کو کسطرح منع کیا ہے کہ وہ اس تحریک کو اپنے ہاتھ میں نہ لیں۔ اگر دونوں صاحبان اس کا تہیہ کریں اور وقتاً فوقتاً مطلع فرماتے رہیں تو ایسا کون مسلمان ہے کہ جو وہ پیشوا اپنی قوم کی دیگا۔ بلکہ بہت ممکن ہے کہ تمام مسلمان موجودہ لیڈروں کو چھوڑ کر صرف دو صاحبان کے اشاروں پر حرکت کرنے لگیں۔ اور یہی ہمارا بھی جی چاہتا ہے لیکن جبکہ دونوں بزرگوار کی یہ حالت ہو کہ نہ خود کچھ کریں اور نہ دوسروں کو کرنے دیں تو پھر مسلمان ان کی طرف رخ بھی نہیں کر سکتے اور اس طرح جو دونوں بزرگوار کی موجودہ مقبولیت ہے شاید اوسکا بھی خاتمہ ہو جائے

مودت نصاریٰ پر مفید بحث

حکیم الامۃ تھانوی اپنے شبہ کو تقویت دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ

موالات جس طرح یہود و نصاریٰ کے ساتھ ممنوع ہے یونہی بلکہ اس سے زیادہ مشرکین اور ہنود کے ساتھ ممنوع ہے۔ کیونکہ بنص قرآنی مشرکین کا نصاریٰ سے زیادہ اسلام اور مسلمانوں کا دشمن ہونا ثابت ہے

لتجدن اشد الناس عداوۃ للذین آمنوا الیھود والذین اشرکوا۔ الخ بے شک تمام لوگوں میں سب سے زیادہ دشمن مسلمانوں کا تم یہود اور مشرکین کو پاؤ گے۔

مضمون آیۃ کریمہ صحیح نقل کیا گیا۔ حکیم الامۃ نے صرف یہ تصرف کیا کہ وقتی حکم کو دائمی حکم ظاہر کیا اور (لتجدن) کا ترجمہ (تم پاؤ گے) کیساتھ کیا حالانکہ ترجمہ یہ ہونا چاہیئے کہ (آپ پاؤ گے)۔ دیکھئے صرف اتنے تصرف سے بات کیا تھی اور ہو گئی کیا۔ اس آیۃ کریمہ میں حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کو خطاب کیا گیا ہے۔ نہ کہ قیامت تک ہونے والے مسلمانوں کو لفظ (تم) سے یقیناً ذہن اس طرف منتقل ہو جاتا ہے کہ اس کے مخاطب عامہ مومنین ہیں۔ دیکھئے کہ حرف خطاب کے تبدل نے واقعہ خاص کو عموم کا جامہ پہنا دیا اور وقتی حکم کو دائمی حکم بنا دیا۔ یہ ہیں مخفی حکمت عملیاں جن تک ہر شخص کی نظر نہیں پہونچ سکتی بات صرف اتنی ہے کہ عہد اقدس میں مسلمانوں سے بر سر پیکار صرف دو فریق تھے۔ یہود و مشرکین۔ باقی رہ گئے نصاریٰ یہ مقابلہ پر نہ آئے بلکہ مسلمانوں کے ساتھ سلوک کیا۔ اس وقت حبشہ میں عیسائی سلطنت تھی اس کے بادشاہ نجاشی نے مسلمانوں کو پناہ دی تھی جو قریش مکہ کے ظلم و ستم کی وجہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تھے۔ یہ اسلام کی پہلی ہجرت تھی چونکہ شاہ نجاشی نے مسلمانوں کو پناہ دی تھی اور انکے ساتھ سلوک کے برتاؤ کئے تھے اس وجہ سے یہ آیۃ کریمہ اُس کے حق میں نازل ہوئی جس سے حکیم الامۃ استدلال کر رہے ہیں۔ اس کا یہ نتیجہ بر آمد ہوا کہ شاہ حبشہ نے اسلام قبول کر لیا اسکی وفات کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے غائبانہ اسکی نماز جنازہ پڑھی اس سے قارئین کرام نے معلوم کر لیا ہو گا کہ یہ حکم وقتی تھا نہ یہ کہ قیامت تک

نصاریٰ کی اہل اسلام سے مودت و دوستی رہے گی۔ اگر آیۃ کریمہ کا یہ مطلب ہو تو واقعات اسکی تکذیب کر دیں گے۔ کیوں کہ اسلام کے ساتھ سب سے بڑھکر عیسائیت معرکہ آرا رہی۔ محاربات صلیبیہ اس کے لئے شاہد عدل ہیں۔ یہود کی قوت کا خاتمہ عہد اقدس ہی میں ہو چکا تھا جو آجتک مردہ ہیں اور قیامت تک حسب ارشاد قرآن کریم اسی طرح مردہ رہیں گے عیسائیت ہی صرف اسلام کا حریف رہ گئی جو تیرہ سو برس سے برابر معرکہ آرا ہے۔ ایسی حالت میں کون دعویٰ کر سکتا ہے کہ خالق اکبر کے کلام کا یہ مفہوم ہے کہ نصاریٰ قیامت تک مسلمانوں کے ساتھ مودت و دوستی کرتے رہیں گے ورنہ پھر بتائیے یہ دوستی کی کونسی قسم ہے جو بحالت موجودہ نظر آرہی ہے۔ آیۃ کریمہ کا یہ مفہوم جو ہم نے سمجھا ہے یہی امام فخرالدین رازی تفسیر کبیر میں بروایت حضرت عبداللہ بن عباس تحت آیۃ کریمہ بیان فرماتے ہیں۔

قال ابن عباس وسعید بن جبیر وعطاء والسدی المراد به النجاشی وقومه الذین قدموا من الحبشة علی رسول صلی الله علیه وسلم وآمنوا به ولم یرد جمیع النصاری مع ظهور عداوتهم للمسلمین

ابن عباس اور سعید بن جبیر اور عطا اور سدی نے کہا ہے کہ اس آیۃ کریمہ میں مراد (بادشاہ) نجاشی اور اسکی قوم ہے جو حبشہ سے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور ایمان لائے نہ کہ تمام نصاریٰ خصوصاً جبکہ انکی عداوت مسلمانوں کے ساتھ ظاہر ہے۔

اس تفسیر نے حقیقت کے رخ سے بالکل نقاب اٹھا دی کہ کل نصاریٰ نہیں مراد ہیں بلکہ صرف نجاشی اور اس کی قوم۔ لطف یہ کہ باقی نصاریٰ کی عداوت کا بھی اظہار کر دیا گیا۔ سچ پوچھو تو اس تفسیر سے ہی مدد لینے کی چنداں ضرورت

نہیں جبکہ خود آیۃ قرآنی اسکا فیصلہ کر رہی ہے۔ ؎

آفتاب آمد دلیل آفتاب

اسی آیۃ کے متصل حق تعالےٰ نے مودت نصاریٰ کا یہ سبب بتایا ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَ رُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ	(نصاریٰ سے مسلمانوں کی مودت ومحبت) اس وجہ سے ہے کہ انمیں علماء اور درویش ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے۔

قرآن کریم کے فیصلہ کے بعد اب کیا کسی کی مجال ہے۔ دیکھو قرآن کریم نصاریٰ کی مودت کا سبب یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ دنیا سے انقطاع رکھتے ہیں۔ اور طمع وحرص وحب جاہ سے انکا دامن پاک ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہود ومشرک حب جاہ وحرص کی وجہ سے لڑتے جھگڑتے ہیں عہد اقدس کے نصاریٰ کا عموماً یہی حال تھا کہ انکو دنیوی علایق سے بہت کم سروکار تھا اور وہ راہبانہ زندگی بسر کیا کرتے تھے۔ اس وجہ سے انکو کسی کے ساتھ عداوت نہ تھی۔ یہود وزراعت پیشہ اور مشرک تجارت پیشہ تھے اس وجہ سے آئے دن مسلمانوں سے برسر پرخاش رہتے تھے۔ اسی کو کسیقدر وضاحت کے ساتھ تفسیر کبیر میں بیان کیا گیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ عہد اقدس کے نصاریٰ چونکہ تارک الدنیا تھے اس وجہ سے انکو کسی سے نہ کوئی عداوت تھی نہ کوئی پرخاش۔ اسی وجہ سے قرآن کریم میں بمقابلہ یہود ومشرکین ان کو ترجیح دی گئی اور وہ ہی اسیقدر کہ مودت سے قریب ہیں نہ یہ کہ انکو مسلمانوں سے مودت ہے۔ ان تارک الدنیا نصاریٰ پر حکیم الامتہ موجودہ نصاریٰ کو قیاس فرما رہے ہیں کہ جنکو حرص تو کیا جوع البقر ہے۔ بلکہ جوع الارض کہ جو یورپ در کنار تمام ایشیا کو ہضم کرنے کے بعد بھی قناعت کرتے ہوئے

نظر نہیں آتے۔ جب سبب عداوت حرص قرار پایا تو آیۃ کریمہ کی رو سے سب سے زیادہ دشمن اسلام موجودہ نصاری قرار پاتے ہیں۔ خدا کی شان یہی ظاہر ہی ہو رہا ہے۔ لیجئے حکیم الامۃ نے جس آیۃ کو اپنے مفید مطلب سمجھکر پیش کیا تھا وہ ہمارے مفید مطلب نکلی ؎

میں الزام انکو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

اس قدر بحث کی جب ضرورت ہی کہ موجودہ نصاری عہد اقدس کے نصاری کیطرح خدائے قیوم کی ہستی کے بھی قائل ہوں۔ لیکن موجودہ نصاری دہریے ہیں یہ نہ خدائے قیوم کے قائل نہ کسی مذہب کے پابند۔ انکی موجودہ تعلیم میں سراسر دہریت بھری ہوئی ہے۔ آکسفورڈ یونیورسٹی کا ایک پروفیسر لکھتا ہے کہ "ہمکو خدا اور نیچر (طبیعت) میں سے صرف ایک کی ضرورت ہے"۔ دیکھو یہ کمبخت کس بیباکی سے خدائے قیوم اور نیچر کا مقابلہ کر رہا ہے اور کس شان تردد سے اسکو بیان کرتا ہے جو قوم اپنی ایسی عظیم الشان یونیورسٹی میں ایسے ملحدوں کو پروفیسر تک بنا دیتی ہے وہ قوم خود کیا ہوگی۔ انکے یہاں کا ایک مشہور حکیم ڈارون مسئلہ ارتقا کا قائل ہے یعنے عالم کا ایک ایک ذرہ خود بخود ترقی کر رہا ہے۔ اسی اصول کی بنا پر وہ کہتا ہے کہ انسان پہلے بندر تھا ترقی کرتے کرتے یہ صورت اختیار کر لی اس کا یہ عقیدہ تقریبًا کل انگلستان میں سرایت کر گیا ہے۔ اور آج ہندوستان میں بھی بہت سے لوگ ایسے پیدا ہو گئے ہیں جنکا عقیدہ ہے کہ ہمارے آبا و اجداد بندر تھے۔ بھلا یہ اعتقادات عہد اقدس کے نصاری میں کہاں جنکا وصف قرآن میں آیا ہے۔ وہ تارک الدنیا صحرا نشین درویش تھے۔ یہ دہریئے دنیا بھر کے حریص۔ کجا وہ کجا یہ موجودہ نصاری البتہ پرستار قومیت ضرور ہیں مذہب کو بھی اسی حد تک

مانتے ہیں کہ قومیت مقدم تر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی نظروں میں یورپین یہودی ہندوستانی عیسائی سے زیادہ ترجیح ہے۔ جس عہدہ جلیلہ پر وہ فائز ہو سکتا ہے اس پر ہندوستانی عیسائی کا کبھی تقرر نہیں ہو سکتا۔ یہ کیوں؟ صرف اسلئے کہ مذہب ان کے نزدیک کوئی چیز نہیں۔ جب یہ ہے تو ہمیں سمجھ لینا چاہئے کہ دہریوں سے کل مذہب کے پابند بہتر ہیں کیونکہ وہ خدائے تعالیٰ کی ہستی کے معترف ہیں اور دہریے منکر۔ دہریوں کی سلطنت کا جلد تر خاتمہ کر دینے کی کوشش مسلسل جاری رکھنا بہترین عبادات میں سے ہے۔

اجتماع الضدین

مجدد بریلوی اور حکیم الامۃ تھانوی کی نسبت عام خیال تھا کہ یہ ہر دو بزرگ کسی واحد فیصلہ پر کبھی جمع نہیں ہو سکتے۔ لیکن خدائے تعالیٰ کی شان ہے کہ مسئلہ خلافت و ترک موالات میں دونوں متفق الرائے ہو گئے اسپر عام ناراضگی کا جابجا اظہار کیا جارہا ہے کہ اتفاق بھی ہوا تو کس مسئلہ میں عام خیال یہ ہے کہ ان دونوں بزرگوں کا اتفاق تمام ہند میں اختلاف ڈالدے گا۔ لیکن یہ خیال غلط ہے۔ جمہور کے ساتھ تمام امور میں انکا اختلاف نہیں ہے۔ ترک موالات کی ایک تجویز نمبر ۵ ایسی بھی ہے جس کو دونوں بزرگوار نے تسلیم کیا ہے۔ اور وہ یہ کہ گورنمنٹ برطانیہ کو فوجی امداد نہ دی جائے دیکھو ہر دو بزرگوار کی یہ دو عبارتیں عبارت مجدد

"بیچنا ہر چیز کا جس میں اعانت حرب یا اہانت اسلام ہو" عبارت حکیم الامۃ "البتہ فتنہ کے زمانہ میں اہل فتنہ کے ہاتھ بیع سلاح سے فقہائے منع فرمایا ہے"

لیجئے دونوں عبارتوں سے صاف واضح ہوگیا کہ دشمن اسلام گورنمنٹ کو فوجی امداد نہیں دینا چاہئے۔ البتہ علمائے کرام اور ہر دو بزرگوار میں صرف گورنمنٹ کے نام لینے اور نہ لینے کا فرق ضرور ہے لیکن نفس تجویز میں سب برابر ہیں۔ بحمد اللہ تعالیٰ کل تجاویز میں ایک تجویز ایسی بھی نکلی جو بلا اختلاف طے ہو گئی۔ لہذا اس متفق علیہ تجویز کو تمام تجاویز سے زیادہ اہم سمجھکر اس میں زیادہ سعی کرنا چاہئے:۔

اللھم انصر من نصر دین سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم واجعلنا منھم واخذل من خذل دین سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ولا تجعلنا منھم وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین - والصلوٰۃ والسلام علی نبیہ وحبیبہ سیدنا ومولانا وشفیعنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

مطالبہ اسلام

مسلمانو! اسوقت شوکت اسلام خطرہ میں ہے۔ اسکی خلافت کا قصر منہدم کیا جا رہا ہے۔ اسلامی سلطنت اور صرف ایک اسلامی سلطنت کے فنا کرنے کا دشمنان اسلام نے فیصلہ کر لیا ہے۔ اسلامی عزت و شوکت کا محافظ حق تعالیٰ شانہٗ ہے۔ اسلام قیامت تک باقی رہے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ لیکن اندیشہ ہے تو صرف اس کا کہ جس امانتِ خداوندی کے آج ہم حامل ہیں کل دوسرے کو وہ امانت سپرد ہو جائے۔ اور اس طرح ہم خدانخواستہ راندۂ درگاہ الٰہی ہو جائیں۔ کل قیامت کو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حضوری ہونے والی ہے۔ آج اسلام پر وقت آپڑا ہے جان و مال، عزت و آبرو سب کچھ اس پر نچھاور کر دو۔ تاکہ قیامت کے ہولناک میدان میں رسوائی و شرمندگی نہ ہو۔ اور شفاعت کبریٰ کے مستحق بن جاؤ۔ یاد رکھو آج عمل ہے حساب نہیں۔ قیامت کو حساب ہوگا۔ پھر عمل کہاں جو کچھ کرنا ہے ابھی کر لو ع ما علینا یا اخی الا البلاغ ۔

خاکسار عبید الرحمٰن غفرلہ ولوالدیہ (پیلی بھیتی)

تلمیذ حضرت علامہ اجمیری عم فیضہ الجاری

نوٹ: جن مسلمانوں کے پاس یہ تبلیغی رسالہ پہنچے وہ خود عمل کریں اور دیگر مسلمانوں کو پڑھ کے یا سنا کے مضامین سے آگاہ کریں ۔